فرقہ اہلِ قرآن کی پھیلائی ہوئی گمراہیاں

قرآن کے نام پر ـــــ قرآن سے دشمنی

پرویز

میں شروع ہی میں اس حقیقت کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ (۱) نہ میرا تعلق کسی فرقہ سے ہے، نہ ہی میں نے کوئی اپنا فرقہ کھڑا کیا ہے۔ میں قرآن کریم کی رو سے فرقہ بندی کو شرک سمجھتا ہوں۔ (۲) نماز، روزہ وغیرہ جملہ ارکان اسلام کی ادائیگی عام مسلمانوں کی طرح کرتا ہوں۔ کسی فرد یا فرقہ کو ان میں تغیر و تبدل کا مجاز نہیں سمجھتا۔ نہ ہی کسی نئے طریق کے وضع کرنے کا مختار۔ (۳) تحفظِ ناموسِ رسالت و عظمتِ قرآن کریم میرا جزوِ ایمان اور زندگی کا مشن ہے۔ جہاں ان پر کسی قسم کی زد پڑتی ہے، اس کی مدافعت میرا تقاضائے ایمان اور دینی فریضہ ہوتا ہے۔ (۴) ہمارے زمانے میں ناموسِ رسالت کو سب سے زیادہ نقصان تحریک "احمدیت" نے پہنچایا اور عظمتِ قرآن کو نام نہاد "اہلِ قرآن" نے۔ (۵) فرقہ اہلِ قرآن کو چنداں اہمیت حاصل نہیں، یہ چند گنتی کے نفوس پر مشتمل ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ اب یہ اپنی تحریک کے دامن کو وسیع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کا نوٹس لینا بھی ضروری خیال کیا ہے۔ (۶) میرے اس مقالہ کے مخاطب، اس فرقہ کے ذمہ دار افراد نہیں کیونکہ تجربہ نے بتایا ہے کہ لیڈری کی ہوس انسان میں ایسا پندارِ نفس پیدا کر دیتی ہے جو ان سے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت سلب کر لیتا ہے۔ میرے مخاطب وہ سعید افراد ہیں جو ان کی باتوں پر نہایت نیک نیتی سے یہ سمجھ کر کان دھرتے ہیں کہ یہ قرآن کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ حقیقت کے سامنے آ جانے کے بعد غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راہ اختیار کریں۔ (۷) میرا مقصد ان لوگوں سے کسی بحث میں الجھنا نہیں کیونکہ اس کے لئے میرے پاس فالتو وقت ہی نہیں۔ نہ ہی میں ذاتیات پر اتروں گا کہ علمی گفتگو میں ذاتیات پر اتر آنا پستیٔ فطرت کی دلیل ہوتا ہے۔ میں ذاتیات پر اترا ہی نہیں کرتا۔ میں اپنی زندگی کے باقی ایام کو خدمتِ قرآن کے تعمیری مقصد کے لئے وقف رکھنا چاہتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

اس تمہیدی وضاحت کے بعد اصل موضوع کی طرف آیئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو سفرِ حیات میں اس کی راہنمائی بھی اپنے ذمے لی۔ اس راہنمائی کے لئے طریق یہ اختیار کیا گیا کہ خدا اس کا علم، وحی کے ذریعے، ایک برگزیدہ ہستی کو عطا کر دیتا اور وہ اسے دوسرے انسانوں تک پہنچا دیتی۔ اس برگزیدہ ہستی کو نبی یا رسول کہا جاتا ہے۔ اس راہنمائی کا انداز کیا تھا؟ اسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ خود انسانی زندگی کے متعلق سمجھا جائے کہ وہ کس اصول کے تابع باقی رہتی اور آگے بڑھتی ہے۔ یہ اصول ہے ثبات و تغیر کا امتزاج۔ اسے ایک مثال کی رو سے سمجھئے جس کا تعلق انسان کی طبیعی (یعنی جسمانی) زندگی سے ہے۔

ثبات و تغیر کا امتزاج

یہ ظاہر ہے کہ انسان کی طبیعی زندگی کا دارومدار (دیگر عوامل) غذا پر ہے۔ اسے زندگی کے پہلے سانس سے لے کر نفسِ آخرین تک غذا کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس غذا کی نوعیت اور طور طریق حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ زمان کے اعتبار سے دیکھئے تو تاریخ کے دورِ اوّل کے جنگلوں اور غاروں میں بسنے والے انسانوں کی غذا کی نوعیت کچھ اور تھی اور عصرِ حاضر کے انسان کی کچھ اور۔ پھر ایک ہی فرد کی عمر کے مختلف ادوار اور جسمانی حالت کو سامنے رکھئے تو اس کی غذا کی نوعیت میں تغیر ضروری ہوگا۔ پیدائش کے بعد بچے کی غذا صرف دودھ ہوتی ہے۔ پھر کوئی زود ہضم غذا۔ جوانی میں غذا اور مقدار کی ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں اور مقدار کی۔ صحت کی حالت میں اس کی نوعیت کچھ اور ہوتی ہے بیماری کی حالت میں کچھ اور۔ ان تمام حالات میں آپ نے دیکھا کہ وہ اصول (کہ زندگی کا دارومدار غذا پر ہے) شروع سے آخر تک غیر متغیر رہتا ہے لیکن اس اصول کے کارفرما ہونے کے انداز بدلتے رہتے ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے ثبات اور تغیر کا امتزاج۔ نہ یہ اصول تغیر پذیر ہو سکتا ہے اور نہ اس پر عمل ہونے کے طور طریق غیر متغیر۔ اگر غذا کی نوعیت اور اس کے طور طریق بھی غیر متغیر قرار دیئے جائیں تو زندگی چار قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے۔

جو اصول انسان کی طبیعی زندگی کو محیط ہے، اسی کے مطابق اس کی انسانی اور عمرانی زندگی بھی رو بہ عمل رہتی ہے۔ اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ کچھ اصول ہوں غیر متغیر اور ان اصولوں کی کارفرمائی کے لئے طور طریق ہوں جو حالات کے ساتھ بدلتے رہیں۔ خدا کی طرف سے وحی کے ذریعے جو راہنمائی ملتی رہی اس کا انداز بھی یہی تھا۔ اس کے اصول تو شروع سے آخر تک غیر متبدل رہے لیکن ان اصولوں کی کارفرمائی کے طور طریق تغیرِ حالات کے تحت بدلتے رہے۔ ان بدلتے ہوئے طور طریق کو ان اصولوں کی جزئیات کہا جاتا ہے۔ آپ قرآن کریم میں دیکھئے۔ ہر رسول کا پہلا پیغام یا اعلان یہ ہوتا تھا کہ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (۷/۵۹)۔ "اے میری قوم! صرف اللہ کی محکومیت اور اطاعت اختیار کرو۔ اس کے سوا کوئی ہستی نہیں جو ذی اقتدار ہو"۔ یہ دین کا اصل الاصول اور بنیادِ محکم تھی۔ یہی وہ دین کی اصل تھی جو شروع سے آخر تک ایک ہی رہی اور غیر متبدل رہی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ
اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (۴۲/۱۳)

ہم نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم نوح کو دیا گیا تھا اور جناب (اے رسولؐ!)

تیری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اور جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ اس دین کو محکم اور استوار رکھو اور اس میں تفرقہ مت پیدا ہونے دو۔

یہ تھا دین کا ناقابلِ تغیر و تبدل اصول۔ جہاں تک اس اصول کو بروئے کار لانے کا تعلق ہے (یعنی دین کی جزئیات) تو شروع شروع میں چونکہ انسانی علم بڑا محدود تھا اس لئے وہ بھی بالعموم خدا ہی کی طرف سے عطا ہوتی تھیں۔ مثلاً حضرت نوحؑ کے زمانے میں انسانوں کو یا کم از کم اس خطۂ زمین کے لوگوں کو کشتی بنانے کا ہنر بھی نہیں آتا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ طریق بھی وحی کے ذریعے بتایا گیا جب ان سے کہا گیا کہ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (۱۱/۳۷)۔ تو ہماری زیرِ نگرانی اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا۔ جوں جوں انسانی علم بڑھتا گیا، وحی کے ذریعے جزئیات متعین کرنے کی ضرورت کم ہوتی گئی چنانچہ ہر نئے رسول کے زمانے میں یہ دیکھا جاتا رہا کہ سابقہ جزئیات میں سے کون کون سی ایسی ہیں جن کی ضرورت باقی نہیں رہی یا جن میں تغیر و تبدل ضروری ہو گیا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے سورۂ بقرہ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا (۲/۱۰۶)۔ یعنی وحی کا انداز یہ رہا ہے کہ کسی سابقہ رسول کی وحی کے ایسے احکام جو وقتی طور پر نافذ العمل رہنے کے لئے دیئے گئے تھے، انہیں بعد میں آنے والے رسول کی وحی کے احکام سے بدل دیا جاتا۔ اور یہ نئے احکام پہلے احکام سے بہتر ہوتے۔ جن سابقہ احکام کو علیٰ حالہٖ رکھا جانا مقصود ہوتا ـ خواہ وہ اس رسول کی امت کے پاس ہوں یا اس نے انہیں فراموش کر دیا ہو۔ ان کی جگہ انہی جیسے احکام جدید وحی میں دیئے جاتے یعنی اصولی احکام غیر متبدل رہتے اور ان کی جزئیات میں بہ تقاضائے حالات تغیر و تبدل ہوتا رہتا۔

خدا کی آخری وحی

خدا کی طرف سے ملنے والی راہنمائی کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تا آنکہ وہ زمانہ آ گیا جب مشیتِ خداوندی نے یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ وحی کی رو سے دیا جانا مقصود ہے اسے آخری مرتبہ دے دیا جائے اور اس کے بعد سلسلۂ وحی کو ختم کر دیا جائے۔ یہ وحی، جو قیامت تک تمام نوعِ انسان کی راہنمائی کے لئے کافی سمجھی گئی، قرآنِ کریم کے اندر محفوظ کر دی گئی۔ چونکہ زمانہ وہ آ چکا تھا جب علمِ انسانی بڑی تیزی سے ترقی کرتا چلا جاتا تھا اور خدا کے علم میں تھا کہ یہ اسی سرعت کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جائے گا، اس لئے اس آخری وحی میں غیر متبدل اصول تو تمام کے تمام دے دیئے گئے لیکن ان کی جزئیات بہت کم دی گئیں۔ یہ اس لئے کہ اگر جزئیات بھی تمام کی تمام وحی کے ذریعے دے دی جاتیں تو وہ بھی قیامت تک تمام اقوامِ عالم کے لئے غیر متبدل قرار پا جاتیں۔ لیکن جب وہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکتیں تو دین پر عمل پیرا ہونا مشکل (بلکہ بعض حالات میں ناممکن) ہو جاتا۔ ان جزئیات میں تغیر اس لئے نہ ہو سکتا کہ وحی کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ لہٰذا دین کے ہمیشہ کے لئے ممکن العمل رہنے کا طریق یہی تھا کہ ان اصولوں کی وہی جزئیات بذریعۂ وحی دی جائیں جن میں تغیر کی ضرورت نہ پڑے۔ قابلِ تغیر جزئیات وحی کے ذریعے دی ہی نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی راہنمائی کو اس طرح قرآنِ کریم میں محفوظ کر دیا۔ اور اس کے بعد اعلان کر دیا کہ۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۶/۱۱۶)۔ خدا کی بات (دینِ خداوندی) صدق اور عدل کے ساتھ تکمیل تک پہنچ گئی۔ اب ان احکامات میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس خدا کی طرف سے دیئے گئے ہیں جو سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ جو کچھ قرآن میں نہیں دیا گیا تھا اس کے متعلق تاکید سے کہہ دیا کہ تم ان کی بابت خواہ مخواہ کرید اور کاوش نہ کرو کہ وہ کیوں نہیں بتایا گیا۔ خدا کا پروگرام یہی تھا کہ انہیں وحی کے ذریعے متعین نہ کر دیا جائے۔ اگر ایسا کر دیا جاتا تو کل کو جب ان میں تغیر کی ضرورت پڑتی تو تم مشکل میں پھنس جاتے کہ ان پر عمل کرنا ناممکن ہو جاتا اور ان میں تم تبدیلی کر نہ سکتے کیونکہ خدا کے متعین کردہ احکام میں تبدیلی تو صرف خدا کی وحی ہی کر سکتی تھی اور وحی کا سلسلہ اب بند ہو چکا ہے۔ لہٰذا اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ جو کچھ قرآن میں دیا گیا ہے وہ مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی۔ جو اس میں نہیں دیا گیا وہ غیر متبدل نہیں۔

(دیکھئے۔ سورۃ مائدہ۔ آیات ۱۰۲-۱۰۱)

جزئیات کا تعین کیسے ہو؟

یہاں سے ایک اہم سوال ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ جب تمام کی تمام جزئیات قرآن کے اندر نہیں دی گئیں تو باقی ماندہ (قابلِ تغیر) جزئیات کا تعین کس طرح سے کیا جائے گا اور کون ایسا کرنے کا مجاز ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ان جزئیات کی ضرورت کسی ایک زمانے میں بھی لاحق ہوگی اور پھر زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ان میں تغیر و تبدل کی ضرورت بھی لاحق ہوتی رہے گی۔ اس کے لئے کیا کیا جائے؟ اس کا جواب خود خدا نے دے دیا (اور اسے ایسا کرنا بھی چاہیے تھا)۔ اس نے کہا کہ دینِ خداوندی (اسلام) کی ایک نظام کی شکل میں کارفرما ہوگا۔ اسے دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں مملکت یا نظامِ حکومت کہا جائیگا۔ اس نظام کا انداز مشاورتی ہوگا۔ اور ان جزئیات کا تعین یا ان میں تغیر و تبدل اس نظام کی طرف سے ہوگا۔ اس نظام کے اولین سربراہ خود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ چنانچہ حضورؐ سے فرمایا گیا کہ۔ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۔ (۳/۱۵۸)۔ یہ امور باہمی مشورہ سے طے کیا کرو۔ چنانچہ عہدِ رسالتمآبؐ میں ان جزئیات کا تعین اسی طریق سے ہوتا رہا۔ واضح رہے کہ مقصود بالذات تو دین کے اصولوں پر عمل پیرا رہنا یا انہیں نافذ کرنا تھا۔ یہ جزئیات ان اصولوں کی تنفیذ کا ذریعہ تھیں اس لئے یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ یہ جزئیات ان اصولوں سے کسی طرح بھی ٹکرائیں۔ بالفاظِ دیگر یوں سمجھئے کہ یہ جزئیات قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی چاردیواری کے اندر رہتے ہوئے باہمی مشاورت سے طے پاتی تھیں۔

یہ کچھ تو رسول اللہ کی حیاتِ طیبہ میں ہوتا رہا۔ اس کے بعد سوال یہ سامنے آتا ہے کہ حضورؐ کی دنیا سے تشریف برآری کے بعد کیا طریق اختیار کرنا مقصود تھا۔ اس کے لئے بھی قرآن کریم میں واضح راہنمائی دے دی گئی جب کہا گیا کہ

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ
أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ

فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (۳/۱۴۴)

محمدؐ بجز اس حیثیت کہ خدا کا ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ سو، اگر یہ (کل کو) وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم (یہ سمجھ کر کہ دین کا نظام تو حضورؐ کی ذات سے وابستہ تھا۔ وہ نہیں رہے تو نظام بھی ختم ہو گیا)، پھر اپنے قدیم مسلک کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ جو ایسا کرے گا وہ خدا کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا (خود اپنا ہی نقصان کرے گا)، لیکن جو اس نظام کی قدردانی کرے گا تو اللہ اسے اس کا بدلہ دے گا۔

یعنی یہ بتا دیا گیا کہ دین کا یہ نظام رسول اللہؐ کی ذات تک محدود نہیں۔ یہ حضورؐ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح جاری رہے گا اور ان جزئیات کے تعین یا ان میں عندالضرورت تغیر و تبدل کے لئے طریق کار بھی وہی اختیار کیا جائے گا جس کا حکم خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا یعنی۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔ (۴۲/۳۸) "یہ بھی ان امور کو باہمی مشاورت سے طے کریں گے"۔ چنانچہ حضورؐ کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور قائم رہا۔ اسے خلافت علےٰ منہاج رسالت یا خلافت راشدہ کا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں دین کی نئی جزئیات کا بھی تعین ہوا۔ اور جن سابقہ جزئیات میں کسی قسم کی تبدیلی محسوس ہوئی ان میں تغیر و تبدل بھی کیا گیا۔ اگرچہ اس کی ضرورت بہت کم مواقع پر پیش آئی۔ کیونکہ وہ زمانہ کچھ ایسا لمبا نہیں تھا۔ چند سالوں پر مشتمل تھا۔

(۲)

خلافتِ راشدہ کے بعد

کچھ عرصہ کے بعد یہ نظام ٹوٹ گیا۔ اور قرآن کریم نے جو پہلے وارننگ دی تھی کہ "کیا تم پھر اپنے سابقہ مسلک کی طرف پلٹ جاؤ گے"، مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ اور اس کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ دین، مذہب میں تبدیل ہو گیا۔ یعنی انسانی معاملات دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ وہ جن کا تعلق امور دنیا سے سمجھا گیا اور دوسرا وہ جسے مذہبی امور کہہ کر پکارا گیا۔ یہی وہ "قدیم مسلک" تھا جس کے متعلق وارننگ دی گئی تھی کہ تم کہیں ایسا نہ کر بیٹھنا۔ اب امور مملکت (یعنی دنیاوی امور) سلاطین نے سنبھال لئے اور مذہبی امور مذہبی پیشواؤں کی تحویل میں آ گئے۔ سلاطین کے لئے تو آسان تھا کہ وہ جس طرح بھی چاہتے اپنے احکام نافذ کرتے۔ مذہبی پیشوائیت کے لئے یہ مسئلہ دقت طلب ہو گیا کہ مذہبی امور کے فیصلوں کے سلسلہ میں کیا طریق عمل اختیار کیا جائے۔ مشاورت کا تو مذہب میں تصور ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے قرآن میں جہاں شوریٰ کا حکم دیا گیا تھا اس کی تاویل یوں کر لی گئی کہ اس کا تعلق امور دنیا سے ہے مذہبی امور سے نہیں۔ مذہبی امور کے لئے "شریعت" کی اصطلاح اختیار کی گئی اور کہا یہ گیا کہ اعتقادات اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق وغیرہ سے متعلق مسائل دائرہ شریعت میں آتے ہیں۔ دین کے نظام میں، ہر دنیاوی کام جو احکام خداوندی کے مطابق سرانجام دیا جاتا، عبادت (یعنی خدا کی محکومیت) قرار پاتا تھا۔ اب عبادت کا مفہوم

پرستش قرار پا گیا اور اس کا بنیادی امور سے کوئی تعلق نہ رہا۔

روایات کے مجموعے

ہم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ مذہبی پیشوائیت کے لئے یہ سوال غور طلب تھا کہ جو امور ان کے دائرہ اقتدار میں دے دیئے گئے ہیں ان کے متعلق فیصلے کس طرح کئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ ان امور کی جزئیات نہ تمام کی تمام قرآن مجید کے اندر موجود تھیں اور نہ ہی دین کا نظام باقی تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ جس دور میں دین کا نظام قائم تھا یعنی عہد رسالتمآبؐ اور خلافت راشدہ، اس میں نافذ العمل جزئیات کا کوئی مستند مجموعہ تحریری طور پر امت کے پاس موجود نہیں تھا۔ بنا بریں، اس کے سوا کوئی شکل نہیں تھی کہ جو کچھ لوگوں کی زبانی معلوم ہو، اسے جمع، مدون اور مرتب کر دیا جائے۔ یوں روایات کے مجموعے مرتب کئے گئے۔ اور جو جزئیات ان میں ملیں انہیں احکام شریعت قرار دے کر -- -- .. امت کے لئے واجب العمل ٹھہرا دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ جو روایات اس طریق سے جمع ہوئی تھیں ان میں بہت سے اختلافات اور تضادات تھے۔ ان اختلافات کی بنا پر امت میں تفرقہ پیدا ہو گیا اور مختلف فرقے وجود میں آ گئے۔ بالخصوص اس لئے کہ بے شمار روایات خود وضع کر کے انہیں رسول اللہؐ کی طرف منسوب کر دیا گیا تھا۔

فقہ

اس حد تک تو ان روایات نے کام دے دیا لیکن زمانے کے تقاضے تو کسی مقام پر رک نہیں سکتے۔ وہ آگے بڑھتے گئے اور ان کے لئے نئی جزئیات کی ضرورت پڑتی گئی۔ اس لئے یہ سوال سامنے آیا کہ اب کیا کیا جائے؟ فقہاء نے اس کا حل یہ سوچا کہ جو کچھ شریعت کے نام سے موجود تھا اس پر غور و فکر کے بعد ایسے احکام مستنبط کئے جائیں جو زمانے کے ان بڑھتے ہوئے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ استنباط مسائل کے اس طریق کو اجتہاد کہا جاتا ہے اور جو احکام اس طرح مستنبط ہوں وہ فقہ کہلاتی ہے۔ چونکہ فقہ بھی ذاتی طور پر مستنبط اور مرتب ہوئی تھی (یعنی نظام کی طرف سے نہیں بلکہ مختلف ائمہ فقہ نے اسے ذاتی طور پر مرتب کیا تھا)۔ اس لئے اس میں بھی اختلاف فطری امر تھا۔ یوں امت میں مزید فرقے پیدا ہو گئے۔ کچھ وقت کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ اجتہاد کی رو سے بھی جس قدر فیصلے کئے جانے مقصود تھے وہ سب کئے جا چکے ہیں۔ لہذا اب مزید اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہے۔ امت پر یہ جمود صدیوں سے طاری ہے۔

آپ نے دیکھا کہ دین کے نظام کے باقی نہ رہنے سے اسلام کیا سے کیا ہو گیا؟ وحی کا دروازہ خدا نے بند کیا تھا۔ روایات جمع اور مرتب ہو گئیں تو یہ سلسلہ بھی آخری حد تک پہنچ گیا۔ کچھ آگے بڑھنے کے لئے اجتہاد کا طریق اختیار کیا گیا تو کچھ عرصہ کے بعد اس کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ اس کے بعد صورت یہ ہو گئی کہ یہ امت فرقوں میں بٹ گئی، اور قرآن کے الفاظ میں کیفیت یہ ہو گئی کہ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (۳۰/۳۲) ہر فرقہ مگن ہو کر بیٹھ گیا کہ سچے اسلام پر وہی کاربند ہے۔ باقی سب باطل پر ہیں" حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ

"سچا اسلام" کہیں بھی باقی نہیں رہا تھا۔ سچے اسلام کے معنی تھے ایک امت۔ اس کا ایک نظام۔ نظام کی ایک مرکزی اتھارٹی جو باہمی مشاورت سے احکامِ خداوندی کو نافذ کرتی جو ان جزئیات کا تعین کرتی جو قرآن میں نہیں تھیں۔ ان میں عند الضرورت اضافہ بھی کرتی اور تغیر و تبدل بھی۔ اس نظام کے ذریعے سے امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اسی تشتت و انتشار کی طغیانیوں اور فقدانِ مرکزیت کی تباہ کن حیرانیوں میں صدیوں سے امت گرفتار چلی آ رہی ہے۔ اس سے بعض (دین کی حقیقت سے ناآشنا ذہن) اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ وحی کا دروازہ بند نہیں ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر بعض لوگ خود مدعیٔ نبوت بن بیٹھے۔

اسی پریشانیٔ فکر و نظر کا پیدا کردہ وہ فرقہ ہے جو حالیہ زمانے میں پنجاب میں نمودار ہوا اور اہل قرآن کے نام سے متعارف ہے۔ اسے اتفاق کہیے یا اہل پنجاب کی بدبختی کہ اہل قرآن اور احمدی دونوں خطۂ پنجاب سے نمودار ہوئے اور کم و بیش ایک ہی وقت میں۔ یہ دونوں دین کے بحیثیت نظام کے تصور سے ناآشنا اور اسے ایک "مذہب" سمجھتے تھے (اور سمجھتے ہیں)۔

(۰)

فرقہ اہل قرآن

فرقہ اہل قرآن کے بانی (مولانا) عبداللہ چکڑالوی (مرحوم) تھے۔ مرزا غلام احمد کے متعلق تو معلوم ہے کہ ان کی دعوت حکومتِ برطانیہ کی مقاصد براری کا ذریعہ تھی اور اس لئے اسی کے ہاتھوں کا لگایا ہوا پودا۔ لیکن (مولانا) چکڑالوی کے متعلق اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نیت نیک تھی اور دل میں اسلام کا درد۔ انہوں نے دیکھا کہ فرقہ بندی نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا ہے۔ فرقہ بندی کے متعلق انہیں معلوم تھا کہ اس کی بنیاد بالواسطہ یا بلاواسطہ روایات پر ہے۔ اس کا علاج انہوں نے یہ سوچا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو قرآن پر جمع کیا جائے۔ یہاں تک تو بات صحیح بھی تھی اور صاف بھی۔ لیکن اس سے آگے بڑھے تو انہیں الجھاؤ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لئے خارج از قرآن کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اس طرح انہوں نے احادیث (اور ان پر متفرع فقہ) کو بالکلیہ مسترد کر دیا۔ اس پر مولوی صاحبان کی طرف سے سب سے پہلے وہ اعتراض وارد کیا گیا جسے وہ "اسلام" کے دین سے مذہب میں تبدیل ہو جانے کے زمانے سے وارد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے ان سے کہا کہ اگر اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لئے قرآن کافی ہے تو یہ بتلائیے کہ ہم نماز کیسے پڑھیں؟ اسلام بحیثیت ایک نظام، کا تصور (مولانا) چکڑالوی کے سامنے تھا نہیں جس طرح معترضین اسے ایک مذہب سمجھتے تھے اسی طرح یہ بھی اسے ایک مذہب ہی خیال کرتے تھے۔ لہٰذا انہیں ضرورت لاحق ہوئی کہ وہ قرآن سے نماز کی جملہ جزئیات نکالیں۔ اس لئے کہ ان کا دعویٰ تھا کہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نماز کی حقیقت، ماہیت، کیفیت، کمیت، جزئیت وغیرہ

یعنی جملہ افعال واقوال، حرکات وسکنات وغیرہ وغیرہ تمام امورات متعلقہ نماز
بہ تفصیل وتوضیح وتشریح قرآن مجید ہی میں بیان فرما دیئے ہیں۔

(ترجمۃ القرآن۔ پارہ دوم۔ صفحہ ۲۰۷)

چکڑالوی صاحب نے قرآن کریم میں نماز کی جملہ حرکات وسکنات وافعال واذکار کی تلاش شروع کر دی۔ وہ صرف ونحو کے عالم نظر آتے ہیں اور قرآنی آیات پر بھی انہیں عبور دکھائی دیتا ہے لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ قرآن کے سمندر میں ان موتیوں کی تلاش میں غوطہ زن ہوتے جو وہاں موجود نہیں تھے۔ اس میں شناوری، غیر موجود کو موجود کیسے بنا سکتی تھی۔ لہٰذا وہ لگے ٹامک ٹوئیاں ملنے۔ فی طغیانہم یعمہون۔ اس سعی ناکام میں انہیں جس کھینچا تانی سے کام لینا، اور اس کی وجہ سے جس اضطراب وہیجان سے کہ چڑچڑاہٹ اور جھنجلاہٹ کا شکار ہونا پڑا، وہ ان کی تحریروں سے ظاہر ہے۔ بات چونکہ مناظرانہ دعویٰ کی تھی، اس لئے اعتراف شکست بھی ممکن نہیں تھا۔ اس طرح یہ جانِ مجنوں، دوگونہ عذاب میں مبتلا ہو گئی۔ انہوں نے بزعم خویش، جو کچھ قرآن سے ثابت کیا، وہ پانچ وقتوں کی نماز، نماز کی دو، تین اور چار رکعتیں اور ہر رکعت میں دو سجدے تھے۔ یعنی مروجہ نماز ہی کے ارکان۔ لیکن ان کے ثابت کرنے کا انداز اس قدر رکیک تھا کہ اس پر عقل شرمائے اور علم ماتم کرے۔ مثلاً وہ رکعتوں کی تعداد کے سلسلہ میں "بہ تحقیق انیق" پیش فرماتے ہیں کہ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (۳۵/۱)

اس کا سیدھا سادھا ترجمہ یہ ہے۔

سب خوبی اللہ تعالیٰ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین جس نے ٹھہرایا
فرشتوں کو پیغام لانے والے۔ جن کے پر ہیں دو۔ دو اور تین تین اور چار چار۔"

(ترجمہ مولانا محمود الحسنؒ)

(مولانا) چکڑالوی اس کا حسب ذیل ترجمہ لکھتے ہیں۔

پڑھا کرو لئے ہر ایک اہل آسمان واہل زمین۔ الحمد (یعنی پانچوں نمازیں) واسطے راضی کرنے اللہ تعالیٰ کے کیونکہ وہ فطرت پاک کرنے والا ہے۔ تم تمام آسمان والوں (فرشتوں کی) اور تم تمام کے کے زمین والوں (جن وانس کی)۔ چونکہ تم "فطرت اللہ" میں تغیر وتبدیل کرتے رہتے ہو اس لئے نمازیں پڑھا کرو تا کہ جبر نقصان ہوتا رہے! اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو کرنے والا ہے اپنے فرشتوں کو رسول تمہاری طرف۔ جو لانے والے ہیں تمہاری صلواتوں یعنی چار ارکان کے ہیں۔ جن کا حق یہ ہے کہ کسی وقت میں دو دو بار ادا کی جائیں اور کسی وقت میں تین تین اور کسی وقت میں چار چار دفعہ مطابق تعلیم کتاب اللہ۔ (یعنی جس وقت کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ ادا کرنے کا حکم فرمایا، تم بھی اس وقت ان چار ارکان کو دو ہی بار پڑھا کرو۔ اور جس وقت ان کو

تین بار ادا کرنے کا حکم دیا ہے، تم بھی اس وقت میں ان کو تین ہی بار ادا کیا کرو۔ اور جس وقت میں فاطر السمٰوٰت والارض نے تم کو چار بار ان کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے اس وقت چار بار پڑھا کرو۔ (ترجمۃ القرآن۔ پارہ پانچ صفحہ ۷۶)

اور اس کے بعد پانچ چھ صفحات میں قرآن کریم کی مختلف آیات اور ان کی (اپنی) تشریح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

(دیکھو) اس بات کا قطعی اور یقینی فیصلہ کرتا ہے کہ نماز کی رکعتیں اس طرح ہیں کہ فجر کی دو، شام کی تین، ظہر و عصر و عشا میں سے ہر ایک کی چار۔ (ایضاً صفحہ ۸۳)

آپ غور کیجئے کہ یہ قرآن کے ساتھ (معاذ اللہ) کھلا ہوا مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟

(مثلاً) انہوں نے قرآن سے (بانداز بالا) یہ ثابت کیا ہے کہ نماز میں ہاتھ سینے پر باندھنے چاہئیں۔ اس طرح کہ قرآن کریم میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف گئے تو چونکہ معرکہ بڑا صبر آزما تھا اس لئے ان سے کہا گیا کہ وہاں کسی سے ڈرنا نہیں، مضطرب و بیقرار نہیں ہونا۔ پوری دلجمعی اور اطمینان سے اپنی بات پیش کرنا۔ اس کے لئے الفاظ یہ استعمال کئے گئے کہ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ۔ (۲۸/۳۲) یعنی خوف کی حالت میں پھڑپھڑانا نہیں بلکہ اپنے بازو سمیٹ لینا۔ (مفہوماً) چکڑالوی فرماتے ہیں کہ

اس سے ثابت ہوا کہ حکم خداوندی یہ ہے کہ نماز میں اپنے ہاتھ کہنیوں تک ایک دوسرے کے اوپر جمع کر کے اپنے سینے کے ساتھ ملاؤ۔ (ترجمۃ القرآن۔ پارہ ۲۔ صفحہ ۳۳)

غرضیکہ وہ اسی طرح نماز کی جملہ جزئیات قرآن کریم سے "ثابت" کرتے چلے جاتے ہیں، اور جو کچھ اس طرح "ثابت" کرتے ہیں اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی کتاب اللہ کی سراسر مخالفت ہے۔ (ایضاً۔ پارہ ۳۔ صفحہ ۱۰۲) ان الفاظ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ان سے ایک اہم نتیجہ سامنے آئے گا۔

حرکات و سکنات کے بعد وہ یہ بتاتے ہیں کہ نماز میں پڑھنا کیا چاہیے۔ اس میں سوائے سورۃ فاتحہ کے سب کچھ مروجہ نماز سے مختلف ہے، اگرچہ وہ ہیں قرآن ہی کی آیات۔

ایک اہلحدیث کا لقمہ

یہ ہے وہ طریق جس سے چکڑالوی صاحب نے نماز اور اسی طرح قرآن کریم کے دیگر اصولی احکام کی جزئیات قرآن سے "ثابت" کیں۔ جب قرآن سے اثبات و تعیین احکام کا انداز یہ ٹھہرا تو پھر اس میں کوئی روک کس طرح پیدا ہو سکتی تھی؟ چنانچہ خود (مولانا) چکڑالوی کی (غالباً) زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد انہی کے ہم خیال ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے بھانت بھانت کی بولیاں بولنا شروع کر دیں۔ مثلاً حکمراں کے مولوی محمد اقبال اور مولوی محمد عالم۔ گوجرانوالہ کے مولوی محمد رمضان، اکال گڑھ کے مولوی حبیب اللہ وغیرہ۔ ان میں سے کسی نے ایک وقت کی نماز اور ہر نماز کی ایک رکعت بتائی۔ کسی نے تین دن کے روزے اور کسی نے نو دن کے۔ کسی نے فلاں چیز کو حلال قرار دیا اور کسی نے فلاں کو حرام۔ غرضیکہ ان کی ان کوششوں سے خدا کی اس کتاب عظیم

کی (معاذ اللہ) اس طرح دھجیاں فضا میں بکھریں کہ اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ ان میں سے کسی کی بات پر بھی لوگوں نے دھیان نہ دیا۔ ورنہ جتنے فرقے، بہ حیثیت مجموعی مسلمانوں میں اس وقت موجود ہیں ان سے کہیں زیادہ اس ایک نظریہ سے پیدا ہو جاتے۔ ان میں سے صرف ایک گروہ (جو معدودے چند نفوس پر مشتمل ہے) اس وقت تک موجود ہے جس کا تعارف ان کے ترجمان ماہنامہ بلاغ القرآن کے ذریعہ ہوتا ہے۔ سمن آباد (لاہور) میں ان کی ایک ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد ہے جس میں وہ (بزعم خویش) تین وقت کی "قرآنی نمازیں" پڑھتے ہیں۔ ان تین نمازوں کا قصہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ مولانا چکڑالوی نے قرآن کریم سے پانچ وقت کی نمازیں ثابت کی تھیں۔ وزیر آباد (ضلع گجرات) کے ایک اہلحدیث عالم حافظ عنایت اللہ صاحب نے ان کی تردید کی اور کہا کہ قرآن مجید سے تو صرف تین وقتوں کی نمازیں ثابت ہوتی ہیں۔ آپ پانچ وقتوں کی کس طرح ثابت کرتے ہیں۔ یہ (مولانا چکڑالوی کی زندگی کے آخری ایام کی بات ہے۔ انہوں نے تو اپنے خیال سے رجوع نہ کیا لیکن ان کے بعد ان کے متبعین کے لاہوری گروہ نے حافظ عنایت اللہ صاحب کی بات اچک لی اور کہا کہ قرآن کی رو سے نمازیں تین ہی ہیں۔ ادارہ بلاغ القرآن کی طرف سے "الصلوٰۃ" کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے (چکڑالوی صاحب کے طریق کے مطابق) ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کی رو سے :-

(۱) نمازوں کی تعداد تین ہے۔ (چکڑالوی صاحب نے پانچ نمازیں بتائی تھیں)

(۲) ہر نماز کی صرف دو رکعتیں ہیں۔ (چکڑالوی صاحب نے دو، تین، چار رکعتیں کہی تھیں)

(۳) ہر رکعت میں صرف ایک سجدہ ہے (چکڑالوی صاحب نے ہر رکعت میں دو سجدے بتلائے تھے)

(۴) نماز کے لئے اذان کی ضرورت نہیں۔

(۵) اللہ اکبر کہنا خلاف قرآن ہے۔

(۶) السلام علیکم کے بجائے سلام علیکم کہنا چاہیئے۔

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے یہ بھی قائل ہیں لیکن اس کا اثبات سورۃ الکوثر کی اس آیت سے کرتے ہیں۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ (۲/۱۰۸) جس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ "پس اپنے رب کے حضور میں نماز ادا کیا کر اور سینے پر ہاتھ باندھ کر قبلہ رو کھڑا ہوا کر۔" (پمفلٹ مذکور ص۱)۔ مولانا چکڑالوی کی طرح ان کا بھی یہ دعوٰی ہے کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ قرآن کریم کا قطعی فیصلہ ہے (ایضاً ص۲۲)۔ اس کے خلاف کچھ ثابت کرنا "صریحاً" خلاف قرآن ہے۔ (ایضاً ص۲۹)۔ خدا نے اپنی تنزیلی کتاب میں یہی حکم دیا ہے۔ (بلاغ القرآن بابت دسمبر ۱۹۷۸ء صفحہ ۳۲)۔ جہاں تک اذکارِ صلوٰۃ کا تعلق ہے، دعائے قبل الصلوٰۃ سے لے کر سلام تک ان کی نماز بھی (بجز سورۃ فاتحہ) باقی مسلمانوں کی نماز سے بالکل الگ ہے۔ مثلاً انہوں نے کہا ہے کہ رکوع میں یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ۔ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ

انی من المسلمین ربنا علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا واغفرلنا ۔ انک انت العزیز الحکیم

اور سجدہ میں یہ دعا :-

سبحٰن ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا ۔ الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل ربنا اصرف عنا عذاب جہنم ان عذابہا کان غراما ۔ انہا ساءت مستقرا و مقاما ۔ ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما　　　(پمفلٹ مذکور صلا)

اسی قسم کے دیگر اذکار ہیں ۔

(۱)

قرآن کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانیوالے

میں کہتا چلا آرہا ہوں اور اسے اب پھر دہرا دینا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے قرآن کو سب سے زیادہ نقصان اس فرقہ نے پہنچایا ہے۔ سطح بین نگاہوں میں میری یہ بات بڑی تعجب انگیز سی دکھائی دے گی کیونکہ ان کی سمجھ میں یہ نہیں آئے گا کہ جو لوگ دین کے معاملہ میں قرآن کو کافی تسلیم کرتے ہیں اور ہر بات کو قرآن ہی سے ثابت کرتے ہیں وہ قرآن کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والے کس طرح ہو سکتے ہیں۔ لہذا یہ نکتہ ٹھنڈے دل اور گہرے غور اور تدبر سے سمجھنے کے قابل ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ۔ (۴/۸۲)

کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کیطرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سے اختلافات پاتے۔

یہ آیہ جلیلہ بڑی اہم اور بنیادی ہے۔ اس میں کہا یہ گیا ہے کہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہی نہیں بلکہ ثبوت یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ اگر (معاذ اللہ) یہ ثابت ہو جائے کہ قرآن ایسے احکام دیتا ہے جن میں باہمگر اختلاف اور تضاد ہے تو اس سے قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کا دعوےٰ باطل ہو جاتا ہے اور دین کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آگرتی ہے۔

مسلمانوں میں مختلف فرقے ہیں، اور ان میں باہمی اختلافات بھی، لیکن ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ ان کے ان اختلافات کی بنیاد قرآن ہے۔ اہل حدیث کے اختلافات کی بنیاد روایات پر ہے۔

حدیث کے متعلق اگرچہ ان کے ہاں یہ عقیدہ بھی موجود ہے کہ ان کی بنیاد وحی خفی پر ہے لیکن اس کے باوجود وہ قال الرسول کو قال اللہ سے الگ رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کے اختلافات کی زد براہ راست قرآن کریم پر نہیں پڑتی۔

اہل حدیث سے آگے بڑھیئے تو اہل فقہ سامنے آتے ہیں۔ ان کے اختلافات کی بنیاد ان کے ائمہ کا اجتہاد ہے۔ ان کا دعویٰ یہ ضرور ہے کہ ان کے ائمہ کے اجتہاد کی بنیاد قرآن اور احادیث ہی پر ہے۔ لیکن وہ اسے قال اللہ نہیں کہتے۔ اپنے ائمہ کے اقوال ہی کہتے ہیں۔ لہٰذا فقہی اختلافات کی زد بھی قرآن پر نہیں پڑتی۔

لیکن فرقہ اہل قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ خدا کا ارشاد ہے، وہ قرآن کا حکم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کو ماننے والوں میں سے جب ایک کہتا ہے کہ اس معاملہ کے متعلق قرآن کا حکم یہ ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ اس کا حکم یہ ہے جو پہلے حکم کے خلاف ہے تو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ایک ہی معاملہ کے متعلق قرآن مختلف اور متضاد احکام دیتا ہے۔ اس سے قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ یکسر باطل قرار پا جاتا ہے۔ دیگر احکام کو تو چھوڑیئے، اس فرقہ کے بانی (مولانا چکڑالوی) اور ان کے متبعین (بلاغ القرآن والوں) نے صرف نماز کے متعلق جو قرآنی احکام بتلائے ہیں، وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، مثلاً:

مولانا چکڑالوی کے مطابق قرآن نے کہا ہے	بلاغ القرآن والوں کے مطابق قرآن نے کہا ہے
(۱) نمازیں پانچ وقت کی ہیں	(۱) نمازیں تین وقت کی ہیں
(۲) نمازوں کی رکعتیں دو دو، تین تین، چار چار ہیں۔	(۲) ہر نماز کی صرف دو رکعتیں ہیں۔
(۳) ہر رکعت میں دو سجدے ہیں۔	(۳) ہر رکعت میں صرف ایک سجدہ ہے

آپ غور کیجئے کہ یہ نماز سے متعلق محسوس اور مرئی احکام ہیں جو ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں۔ اور ان دونوں کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کریم نے ایسا کہا ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ قرآن کی مخالفت کرتا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم نے اپنی بصیرت کے مطابق قرآن سے یہ احکام مستنبط کئے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن نے یہ جزئیات خود متعین کی ہیں۔ اب آپ سوچئے کہ جب یہ چیز غیر مسلموں کے سامنے آئے کہ قرآن نے نماز کے تین وقت بھی بتائے ہیں اور پانچ بھی۔ اس نے نماز کی دو رکعتیں بھی مقرر کی ہیں اور فجر کی نماز کی دو، ظہر، عصر اور عشاء کی چار اور مغرب کی تین رکعتیں بھی۔ اسی قرآن نے ایک رکعت کے لئے ایک سجدہ مقرر کیا ہے اور کسی نے دو سجدے ـــ تو وہ قرآن کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟ غیر مسلم تو ایک طرف، جب سمجھ سوچنے والے مسلمان نوجوانوں کے سامنے بھی یہ بات آئے گی تو ان کا قرآن کریم کے متعلق کیا تصور ہوگا؟ اور یہ تو ابھی ہم نے صرف نماز کے متعلق بتایا ہے۔ دیگر احکام کے متعلق بھی انکی تصریحات سامنے آئیں تو قرآن کے متعلق تصور یہ پیدا ہوگا کہ یہ تو سرے ہی اختلافات کا مجموعہ۔

اس کے بعد آپ سوچئے کہ میں نے جو کہا ہے کہ قرآن کریم کو سب سے زیادہ نقصان اس فرقہ نے

پہنچایا ہے، تو اس میں ذرا بھی مبالغہ ہے؟

اسے ایک دفعہ پھر ذہن نشین کر لیجئے کہ مولانا چکڑالوی اور بلاغ القرآن والے' دونوں کا دعویٰ یہ ہے کہ نماز کی جو جزئیات، خود قرآن کی متعین کردہ ہیں۔ ان کی مستنبط کردہ نہیں، اور صرف نماز کی جزئیات ہی نہیں قرآن کریم نے تمام احکام کی جزئیات خود متعین کر دی ہیں۔ اس کے لئے ان کی سند اور دلیل یہ ہے کہ قرآن نے اپنے آپ کو "مفصل" اور "تفصیل کل شیءٍ" کہا ہے۔ یہ ٹھوکر تھی جو مولانا چکڑالوی کو لگی اور جس کے پیچھے ان کے متبعین آنکھیں بند کر کے چلے آ رہے ہیں۔ لہٰذا یہ سمجھ لینا نہایت ضروری ہے کہ قرآن کریم کے "مفصل کتاب" ہونے کا صحیح مفہوم کیا ہے۔

کتاب مفصل کا صحیح مفہوم

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو کہیں اَلْکِتَابُ مُفَصَّلًا (۶/۱۱۵) کہا ہے، کہیں تَفْصِیْلُ الْکِتَابِ (۱۰/۳۷) اور کہیں تَفْصِیْلُ کُلِّ شَیْءٍ (۱۲/۱۱۱) وغیرہ۔ اردو زبان میں تفصیل۔ تفاصیل۔ تفصیلات (جیسے الفاظ) جزئیات کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، اور مفصل اسے کہتے ہیں جس میں کسی بات کو مجملاً بیان نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ اس کی جزئیات بھی دی گئی ہوں۔ انگریزی میں انہیں (DETAILS) کہا جاتا ہے۔ (مولانا) چکڑالوی کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ قرآن کریم میں بھی یہ الفاظ انہی معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں جن معانی میں یہ اردو زبان میں استعمال ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ بنیادی اینٹ غلط رکھی گئی اس لئے ان کے دعاوی کی دیوار تا ثریا ٹیڑھی اٹھتی چلی گئی۔ عربی زبان میں مادہ (ف۔ ص۔ ل) اور اس سے بننے والے الفاظ "ان معانی میں استعمال نہیں ہوتے۔ اس میں اس مادہ کے معنی ہیں "الگ الگ کر دینا"۔ "فصل الحد بین الارضین" کے معنی وہ حدِ فاصل ہے جو زمین کے دو قطعات کو الگ الگ کر دے۔ فصال بچے کے دودھ چھڑانے کو کہتے ہیں۔ یعنی بچے کو ماں سے الگ کر دینے کو۔ فصّل الشاۃ کے معنی ہیں قصاب نے بکری کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ تفصیل کے معنی ہیں کسی شے کے ٹکڑے الگ الگ کر دینا۔ فصول السنۃ۔ سال کے چار موسموں (فصلوں) کو کہتے ہیں۔ فاصلۃ۔ اس منکے کو کہتے ہیں جو ہار میں پروئے ہوئے دو موتیوں کے درمیان پرویا جائے تاکہ اس سے وہ دو موتی الگ الگ متمیز ہو جائیں۔ ایسے ہار کو عقدِ مفصّل کہا جاتا ہے۔ الفاصل' جج کو کہتے ہیں اور فیصلہ اس کے اس حکم کو جو جائز اور ناجائز' حق اور باطل' غلط اور صحیح کو الگ الگ کر دے۔ فاصلہ' دو مقامات کو الگ کر دیتا ہے۔ (یہ تمام معانی عربی زبان کی مستند کتب لغت میں موجود ہیں)

اس مادہ کے ان معانی کے لحاظ سے تفصیل کے معنی ہیں' واضح کر دینا۔ کھول کر بیان کر دینا (امام راغب) اور مفصل کے معنی' وہ کتاب جس میں ہر بات نہایت وضاحت سے "نکھار کر' الگ الگ کر کے' بیان کی جائے۔ جس کے بیان میں کوئی ابہام نہ ہو۔ التباس نہ ہو۔ الجھن نہ ہو۔ ہر بات نہایت واضح' نکھری اور ابھری ہوئی ہو۔ انگریزی میں اسے کہیں گے (DISTINCTLY STATED)۔ واضح رہے کہ قرآن کریم میں

وضاحت یا واضح (یا اس مادہ سے اور الفاظ) نہیں آتے۔ اس میں وضاحت یا واضح کے لئے تفصیل یا مفصل (وغیرہ) الفاظ آتے ہیں۔

ان تشریحات کے بعد قرآن کریم کی طرف آئیے۔ اس میں اس مادہ (ف۔ ص۔ ل) کے الفاظ حسب ذیل معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔

(۱) وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ۔ (۱۲/۹۴) جب قافلہ وہاں سے روانہ (جدا) ہوا۔

(۲) فِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ۔ (۳۱/۱۴)۔ بچے کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے۔

(۳) اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (۲۲/۱۷ و دیگر مقامات)۔ اللہ تعالیٰ ان میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔

(۴) يَوْمُ الْفَصْلِ۔ (۳۷/۲۱ و دیگر مقامات)۔ فیصلہ کا دن

(۵) قَوْلٌ فَصْلٌ۔ (۸۶/۱۳)۔ فیصلہ کن بات۔

(۶) هُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ۔ (۶/۵۷) خدا بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

(۷) سورۂ انعام میں کارگہ کائنات کے مختلف عوامل و عناصر کی تگ و تاز کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۶/۹۸ ؛ ۶/۹۹)۔ ہم نے اپنی آیات کی وضاحت، ان لوگوں کے لئے کر دی ہے جو علم و بصیرت سے کام لیں۔

(۸) اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر کفر اور اسلام قبول کرنے کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کے بعد فرمایا۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ۔ (۶/۱۲۷) ہم نے ان آیات کو اس قوم کے لئے واضح کر دیا ہے جو (خدائی راہنمائی کو) اپنے سامنے رکھنا چاہے۔

(۹) سورۂ اعراف میں اہل جنت اور جہنم کے اصولی امتیازات کی وضاحت کے بعد کہا۔ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ۔۔۔ (۷/۵۲)۔ ہم ان کی طرف وہ کتاب لائے ہیں جسے ہم نے از روئے علم واضح کیا ہے۔

(۱۰) سورہ اسرائیل میں گردشِ لیل و نہار اور عدد السنین (سالوں کی گنتی) وغیرہ بیان کرنے کے بعد کہا۔ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا۔ (۱۷/۱۲)۔ اور ہم نے ہر شے کی خوب خوب وضاحت کر دی ہے۔

(۱۱) اسی طرح دیگر مختلف مقامات پر اپنی تعلیم کو واضح طور پر بیان کر دینے کے بعد فرمایا۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ۔ (۶/۵۵ ؛ ۷/۳۲ ؛ ۷/۱۷۴ ؛ ۹/۱۱ ؛ ۱۰/۲۴ ؛ ۳۰/۲۸ ؛ ۱/۱۵ ؛ ۱۳/۲)۔ ان آیات میں احکام کی جزئیات کہیں بھی نہیں آئیں۔ ان کی وضاحت ہی کی گئی ہے۔

(۱۲) ان معانی کی روشنی میں سورۂ ھود کی پہلی آیت (۱۱/۱) کو دیکھئے جس میں کہا گیا ہے کہ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ۔ وہ کتاب جس کے احکام کو نہایت محکم بنایا گیا ہے اور ان کی وضاحت خود خدا کی طرف سے کر دی گئی ہے۔

(۱۳) سورۂ حٰم السجدہ میں قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (واضح اور فصیح قرآن) کے ساتھ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ۔ (۴۱/۳) آیا ہے۔

مطلب بالکل واضح ہے۔ اسی سورۃ میں آگے چل کر کہا گیا ہے کہ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ (۴۱/۴۴)۔ اگر ہم اسے عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ اعتراض کر دیتے کہ اس کی آیات واضح کیوں نہیں کی گئیں۔ یہاں فُصِّلَتْ کا مفہوم نکھر کر سامنے آگیا ہے۔

(۴) سورۃ ص میں ہے کہ (حضرت) داؤد علیہ السلام کو حکمت عطا کی گئی اور فَصْلَ الْخِطَابِ (۳۸/۲۰) معاملات کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت۔

(۵) سورۃ شوریٰ میں كَلِمَةُ الْفَصْلِ (۴۲/۲۱) آیا ہے جس کے معنی ہیں فیصلہ کن بات۔

(۶) سورہ یونس میں قرآن کریم کے متعلق ہے۔ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ (۱۰/۳۷) اس کے معنی صاف ہیں۔ یعنی قوانین خداوندی کی وضاحت کرنے والی۔ سورۃ یوسف میں ہے تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲/۱۱۱) یعنی جتنی باتیں اس میں کہی گئی ہیں، سب واضح اور نکھری ہوئی ہیں۔ ان میں کوئی ابہام نہیں۔ سورۃ انعام میں بھی الفاظ کتاب ہونے کے متعلق آتے ہیں۔ (۶/۱۱۴ نیز ۶/۱۵۵ بھی)

(۷) سورۃ اعراف میں حضرت موسیٰ کو دی گئی نشانیوں کو اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ کہہ کر پکارا گیا ہے (۷/۱۳۳) یعنی وہ نشانیاں جو حق کو باطل سے الگ کر کے بتا دیں۔

(۸) ان آیات کے بعد آخر میں سورۃ انعام کی اس آیت کو سامنے لائیے جس میں کہا گیا ہے کہ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا۔ (۶/۱۱۴) کیا میں خدا کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کی تلاش کروں۔ حالانکہ اس نے تمہاری طرف ایک ضابطہ قوانین نازل کر دیا ہے جو اپنے مطالب میں بالکل واضح ہے۔ دوسری جگہ اس کی وضاحت تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶/۸۹) کہہ کر کر دی۔ یعنی یہ کتاب مبین بھی ہے یعنی اپنے مطالب کو اجاگر کر کے بیان کرنے والی اور مفصل بھی۔ یعنی انہیں نکھار کر بیان کرنے والی (CLEARLY AND DISTINCTLY) بیان کرنے والی۔ (مولانا محمود الحسنؒ نے شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کی بنا پر (کتاب مفصل) کا ترجمہ "کتاب واضح" کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کا ترجمہ "کھول کھول کر باتیں بیان کرنے والی" کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے "واضح کردہ شدہ" کیا ہے۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ خود مولانا عبداللہ چکڑالوی نے اس کا ترجمہ "بالکل واضح اور روشن کتاب" کیا ہے۔ ہم اردو زبان میں انتہائی وضاحت کے لئے کہتے ہیں کہ "وہ ایک ایک لفظ الگ بولتا ہے"۔

ان تشریحات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ (مولانا) چکڑالوی کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے قرآن کریم کے "کتاب مفصل" ہونے کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ اس میں دین کے تمام اصولی احکام کی جزئیات (اور تفاصیل) بھی دی ہوئی ہیں۔ آگے ان کی سوچ کی گاڑی غلط پٹڑی پر پڑ گئی اور جب مولویوں کے ساتھ ان کے مناظرے شروع ہو گئے تو جیسا کہ مناظروں میں ہوتا ہے۔ پندارِ نفس، ضد اور تعصب، بَغْيًا بَيْنَهُمْ (۴۲/۱۴) نے انہیں اس قابل ہی نہ رہنے دیا کہ وہ اپنے مسلک پر نظر ثانی کر سکیں اور ان کی یہی لکیر ان کے متبعین پیٹے جا رہے ہیں۔ (ان میں تو کوئی پڑھا لکھا

آدمی بھی نظر نہیں آتا)۔ ان کا دعوےٰ ان کی زبانی سنیئے۔ کہتے ہیں۔

طلوعِ اسلام کا مسلک یہ ہے کہ قرآن میں صرف احکام ہیں اور باستثنائے چند ان کی تفصیلات اس میں موجود نہیں۔ مگر بلاغ القرآن کا مسلک یہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں احکام مع تفصیلات موجود ہیں۔

(بلاغ القرآن۔ فروری ۷۵ء۔ صفحہ ۲۵)

قرآن کا تبیینِ احکام کا انداز

اس کے بعد آئیے آپ ان کے اس دعوےٰ کی طرف کہ قرآن مجید نے اپنے تمام احکام کی جزئیات خود متعین کر رکھی ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ پہلے یہ دیکھئے کہ احکامات کے سلسلہ میں قرآن کریم کا طریق اور انداز کیا ہے۔ اس نے اپنی آیات کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ متشابہات اور محکمات (۳/۷)۔ متشابہات وہ نظری اور مابعدالطبیعاتی بسیط حقائق ہیں جنہیں اس نے تشبیہاً بیان کیا ہے۔ ان کے متعلق ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ جہاں تک محکمات کا تعلق ہے، یہ قرآنی احکام و قوانین ہیں۔ اور جس طرح احکام و قوانین کی صورت میں ہونا چاہیئے، انہیں اس نے بالکل واضح اور محکم انداز میں بیان کر دیا ہے۔ اگر کسی ضابطہ قوانین کے احکام واضح شکل میں نہ ہوں تو وہ ضابطہ قابلِ عمل نہیں ہو سکتا۔ ان احکام کی یہ شکل نہیں کہ زید ان سے کچھ سمجھے اور بکر کچھ اور۔ دو چار مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

(۱) سورہ نساء کی دو تین آیات میں اس نے ان رشتوں کی تفصیل دی ہے (یعنی وضاحت کی ہے) جن سے نکاح حرام ہے۔ آپ ان رشتوں پر نگاہ ڈالیئے اور دیکھئے کہ انہیں کس قدر متعین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس قدر متعین انداز میں کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں) کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ (۴/۲۲-۲۳)۔ "جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا تھا، ان سے بھی نکاح نہ کرو"۔ یعنی اُمَّهَاتُكُمْ (مائیں) سے چونکہ یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ان میں سوتیلی مائیں بھی شامل ہیں یا نہیں، اس نے اس کی بھی وضاحت کر دی۔ اس وضاحت کی موجودگی میں ہر شخص پورے حتم و یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ خدا نے سوتیلی اور حقیقی ماؤں (دونوں) سے نکاح حرام قرار دیا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی کہہ دے کہ سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے اور دوسرا کہہ دے کہ نہیں! قرآن کی رو سے اس سے نکاح جائز ہے۔ یہ ہے محکمات کا انداز۔

(۲) سورہ نساء ہی میں اس نے وراثت کے حصوں کا تعین کیا ہے۔ دیکھئے کہ اس نے کس طرح مختلف وارثوں کے چھوٹے بڑے تمام حصوں کی جزئیات تک کا تعین کر دیا ہے۔ فلاں کا نصف۔ فلاں کا تہائی۔ فلاں کا چھٹا حصہ۔ فلاں کا آٹھواں حصہ وغیرہ۔ یہ ہے قرآن کی رو سے جزئیات کا تعین۔ یعنی جن احکام کی اس نے جزئیات خود متعین کی ہیں، ان جزئیات کی کیفیت یہ ہے۔

(۳) سورہ بقرہ (۲/۱۸۰) میں اس نے وصیت کا اصولی حکم دیا ہے۔ اس کے بعد سورہ مائدہ میں اس

نے اس طریق کی وضاحت کر دی جس کے مطابق وصیت کو ضبط میں لانا چاہیئے۔ (۴/۱۱-۱۲)۔ ان آیات میں آپ دیکھیئے کہ اس نے اس طریق کی جزئیات کا کس وضاحت سے ذکر کر دیا ہے۔

(۴) سورۃ بقرہ میں اس نے لین دین کے معاملات کو ضبطِ تحریر میں لانے کا حکم دیا۔ (۲/۲۸۲-۲۸۳)۔ ان آیات میں آپ دیکھیئے کہ اس نے کس وضاحت سے بتایا ہے کہ اسے کس طرح لکھا جائے۔ کون لکھے۔ کون لکھوائے اس پر کس طرح گواہ مقرر کئے جائیں۔ ان کی شہادت کس طرح قلمبند کی جائے۔ اگر تم حالتِ سفر میں ہو تو کیا کرو۔ ... یہ جزئیات اس قدر وضاحت سے اور متعین طور پر مذکور ہیں کہ آیت (۲/۲۸۲) قرآن مجید کی (غالباً) سب سے لمبی آیت ہے۔ یہ ہے تعیین و تبیینِ جزئیات کا قرآنی انداز۔

(۵) اس نے نکاح، طلاق، مہر، عدت وغیرہ سے متعلق احکام دیئے تو دیکھیئے ان کی جزئیات کو کس متعین انداز سے بیان کر دیا۔

(۶) اس نے روزوں کے احکام دیئے تو دیکھئے انہیں کس طرح متعین انداز میں بیان کیا ہے۔ ایک مہینے کے روزے۔ صبح کی سیاہ اور سفید دھاری کے نمایاں ہونے سے لے کر رات تک، کھانے پینے اور جنسی اختلاط کی ممانعت۔ مسافر اور بیمار کی صورت میں التواء جس کے لئے روزہ ناقابلِ برداشت ہو اس کی استثناء۔ یہ تمام جزئیات متعین طور پر بیان کر دیں۔

ان مثالوں سے آپ نے دیکھا کہ جن احکام کی جزئیات قرآن کریم نے خود متعین کر دی ہیں ان میں انسانی قیاس آرائیوں کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ان میں کا ہر حکم واضح اور متعین ہے اور ہر شخص حتمی طور پر کہہ سکتا ہے کہ اس باب میں خدا نے یہ فرمایا ہے۔ نیز جو کچھ اس نے فرما دیا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ کسی قسم کا تضاد نہیں۔

(۲) اب آگے بڑھیئے۔ قرآن کریم نے اپنے تمام احکام کی جزئیات کا تعین خود نہیں کیا۔ اکثر اصولاً بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں بعض احکام ایسے ہیں جن کی جزئیات کا تعین قرآن ہی کے دیگر متعلقہ احکام کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں مطلقہ عورت کی عدت کے متعلق کہا گیا ہے کہ عام حالات میں وہ تین حیض ہے۔ (۲/۲۲۸)۔ لیکن اگر وہ حاملہ ہو تو عدت وضعِ حمل تک ہے۔ (۶۵/۴)

بیوہ کے متعلق کہا ہے کہ اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ (۲/۲۳۴)۔ لیکن بیوہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا۔ اس کے لئے کہا جائے گا کہ مطلقہ حاملہ کی عدت پر قیاس کر کے کہا جا سکتا ہے کہ بیوہ حاملہ کی عدت بھی وضعِ حمل تک ہو گی۔ لیکن اس کے متعلق ہم یہ کہنے کے مجاز نہیں ہوں گے کہ یہ عدت خدا کی مقرر کردہ ہے۔ ہم یہی کہہ سکیں گے کہ یہ ہمارا استنباط یا اجتہاد ہے۔

(۳) بعض احکام ایسے بھی ہیں جن کی جزئیات کو بطریقِ استنباط بھی متعین نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً قرآن میں امتِ مسلمہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۔ (۴۲/۳۸)۔ ان کے معاملات ان کے باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں۔ یہاں مشاورت کا اصولی حکم دیا گیا ہے۔ اس کا طریق نہیں بتایا گیا۔ یہ طریق قرآن کریم کی دیگر آیات سے مستنبط بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا طریقِ مشاورت امت خود متعین کرے گی

اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ یہ جزئیات قرآن کریم کے کسی اصول حکم یا قانون سے متصادم نہیں ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ جزئیات قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے متعین کی جائیں گی۔

اس سلسلہ میں اس بنیادی حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہوگا کہ ۲ اور ۳ کی صورت میں استنباطِ احکام یا تعینِ جزئیات کا حق اور اختیار کسی فرد یا کسی گروہ کو نہیں دیا جا سکتا، خواہ وہ فرد کتنا ہی بڑا عالم، فقیہہ، یا مجتہد کیوں نہ ہو۔ یہ حق اور اختیار صرف نظامِ مملکت (خلافت علیٰ منہاجِ رسالت) کو حاصل ہوگا۔ وہی نظام ان جزئیات کا تعین کرے گا اور وہی ان میں عندالضرورت تغیر و تبدل کا مجاز ہوگا۔ اس کے فیصلے ساری امت کے لئے واجب العمل ہوں گے کیونکہ ان کی حیثیت قوانینِ حکومت کی ہوگی۔ اس سے امت کی وحدت قائم رہے گی۔

خلافتِ راشدہ کے زمانے میں کسی شخص کے اپنے طور پر فیصلے دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد بھی، اس باب میں اربابِ فکر و نظر کی احتیاط کا کیا عالم تھا، اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ امام اعظمؒ کا فقہ میں جو مقام ہے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مؤرخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ایک دن ان کی صاحبزادی نے کہا کہ اباجان! میں روزہ سے ہوں۔ دانتوں سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے میں اتر گیا۔ روزہ جاتا رہا یا باقی رہا۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹی! اپنے بھائی حماد سے پوچھو کہ حکومت کی طرف سے فتوے دینے کے مجاز وہ ہیں، میں نہیں۔ ان حضرات کی احتیاط کا یہ عالم تھا۔ اور اب — ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی — جس کا جی چاہا فیصلے کرنے کا مجاز بن بیٹھا۔ مذہب میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

(o)

اہلِ قرآن کی جزئیات

ان تصریحات کے بعد، فرقہ اہلِ قرآن کے مسلک کی طرف آئیے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ تمام احکام کی جزئیات قرآن کریم نے خود ہی متعین کر دی ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک تصریحات بالا میں شق ۲ اور ۳ (اسلامی نظام کی طرف سے استنباطِ احکام اور تعینِ جزئیات) خلافِ قرآن ہوں گے۔ اس مقام پر ہمارے سامنے ایک دلچسپ حقیقت آتی ہے۔ (مولانا) عبداللہ چکڑالوی نے اپنے ہاں اسلامی نظام یا خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ خالص مذہب کی سطح پر سوچتے تھے اور مذہب میں نظام کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ یہ یکسر انفرادی اور پرائیویٹ معاملہ ہوتا ہے۔ ان کی وفات کے بعد ہمارے دور میں، اسلامی نظام کا تصور اجاگر ہوا — علامہ اقبالؒ نے اس کا تصور پیش کیا، علامہ اسلم جیراجپوری نے اس کے تشکیلی خطوط کی وضاحت کی اور اس کی عام نشر و اشاعت کی سعادت طلوع اسلام کے حصے میں آئی۔ دین کا یہ تصور اس قدر معقول، اور اسلام کے آخری اور مکمل دین ہونے کی دلیل اور برہان تھا کہ قدامت پرست مذہبی پیشوائیت کی مخالفت کے علی الرغم، اربابِ فکر و نظر نے اسے اپنے قلوبِ سلیم میں جگہ دے دی۔ اس کے بعد محراب و منبر بھی ان اصطلاحات کے اختیار و استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اسی مجبوری کے ماتحت (مولانا) چکڑالوی کے

متبعین کو بھی ان الفاظ کو دہرانا پڑا۔ لیکن اس سے یہ عجیب کشمکش میں گرفتار ہو گئے۔ اسلامی نظام کے نظریہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم تسلیم کریں کہ جن احکام کی جزئیات قرآن نے متعین نہیں کیں، وہ انہیں اصول مشاورت کے مطابق متعین کرے گا۔ اہل قرآن کا عقیدہ یہ ہے کہ جملہ احکام کی جزئیات قرآن کے اندر محفوظ ہیں۔ اس سے یہ سوال سامنے آیا کہ پھر اسلامی نظام کرے گا کیا؟ قرآن نے جو مشاورت کا حکم دیا ہے، اس پر عمل کس طرح سے ہوگا؟ دیکھئے وہ اس کشمکش سے نکلنے کی صورت کیا اختیار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

> آنحضورؐ کو حکم ہوا۔ شاورھم فی الامر (۳/۱۵۹)۔ اور مومنوں کی صفت بیان ہوئی ہے وامرھم شوریٰ بینھم۔ (۴۲/۳۸)۔ دیکھئے! امر میں مشاورت کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کے حکم میں نہیں۔ حکم کے متعلق تو ارشاد ہوا ہے۔ ان الحکم الا للّٰہ۔ (۶/۵۷، ۱۲/۶۷، ۱۲/۴۰) حکم صرف اللہ کا ہے۔ لا یشرک فی حکمہ احدًا (۱۸/۲۶) اللہ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اس لئے حکم اللہ کا اور جزئیات بندوں کی؟ (العیاذ باللہ)
>
> (بلاغ القرآن۔ بابت فروری ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۶)

اس کے بعد انہیں یاد آگیا کہ خود لفظ امر کے معنی حکم ہیں۔ اس کا کیا علاج؟ کہا۔

> لفظ امر کا معنی حکم بھی ہے۔ لیکن چونکہ اللہ کے حکم میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کی جزئیات متعین کرنے بیٹھ جائے، کہ نمازیں پانچ پڑھی جائیں یا تین یا دو یا ایک۔ اس لئے شاورھم فی الامر (۳/۱۵۹) امرھم شوریٰ بینھم (۴۲/۳۸) میں امر۔ لفظ امر سے اللہ کا حکم مراد نہیں بلکہ وہ معاملات مراد ہیں جو آنحضورؐ اور آپ کے جانشینوں کو داخلی یا خارجی معاملات میں وقتاً فوقتاً ہنگامی طور پر پیش آتے تھے۔
>
> (صفحہ ۲۷)

آپ نے غور فرمایا کہ ان حضرات کی خالص مذہب پرستانہ ذہنیت کس طرح پھوٹ پھوٹ کر سامنے آ رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ اور آپؐ کے صحابہؓ نے حکومت خداوندی کو قائم فرمایا تھا اور اس حکومت کے جس قدر معاملات تھے ان سب کا تعلق، "حکم خداوندی" سے تھا۔ اس میں "عبادات" اور "امور مملکت" میں کوئی تمیز و تفریق نہیں تھی۔ صحن مسجد ہو یا ایوان حکومت (بلکہ میدان جنگ) ان میں کا ہر معاملہ "حکم خداوندی" کے مطابق طے ہوتا تھا۔ "عبادات" اور امور مملکت کی ثنویت اور مغایرت اس دور کی پیدا کردہ ہے جب حکومت خداوندی کی جگہ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت نے لے لی تھی ــــ اور یہ حضرات (اہل قرآن) بھی اسی ذہنیت کے مالک ہیں۔ ان کے نزدیک بھی، اسلام ایک مذہب ہی ہے۔

اور پھر اس پندار نفس پر غور کیجئے! اگر خلافت علی منہاج نبوت، یہ فیصلہ کرے کہ نمازیں پانچ پڑھی جائیں یا تین یا دو یا ایک، "تو یہ شرک ہوگا" اور کوئی عبداللہ چکڑالوی یا ماسٹر محمدؐ علی رسول نگری یہی طے کرنے بیٹھ جائے تو یہ عین مطابق قرآن ہوگا ــــ کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا! ــــ

لیکن اتنا لکھنے کے بعد ان کے دل میں خود ہی کھٹک پیدا ہو گئی کہ یہ ہم نے کیا کہہ دیا۔ اس کے ازالہ کے

لئے فرمایا ہے:

جب خلافتِ الٰہیہ قائم ہوگی وہ قرآن ہی سے فیصلے دے گی اور اسے قرآنی جزئیات ہی کے نام سے بصمیمِ قلب تسلیم کرنا ہوگا۔ (بلاغ القرآن۔ فروری ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۹)

سوال یہ ہے کہ کیا وہ (خلافتِ الٰہیہ) نماز، روزہ کے متعلق بھی فیصلے دے گی یا صرف امورِ مملکت کے متعلق ہی فیصلے دے گی؟ کیا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ "مذہبی امور" اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر ہوں گے؟ قرآن کریم نے تو ان اربابِ خلافت کے متعلق کہا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ..... (۲۲/۴۱) جب انہیں تمکن فی الارض حاصل ہوگا تو یہ "اقامتِ صلوٰۃ" اور ایتائے زکوٰۃ۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں گے۔ لیکن اگر یہ حضرات اس وقت موجود ہوں گے تو ان سے کہہ دیں گے کہ تمہیں صلوٰۃ و زکوٰۃ کے متعلق فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دائرہ بھی امورِ مملکت تک محدود ہے۔ تم اگر اس سے تجاوز کر کے "مذہبی امور" میں دخیل ہوگے تو مملکت کے خلاف بغاوت کی جائے گی۔ کیونکہ تمہارا ایسا کرنا خلافِ قرآن اور شرک ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر مزید تفصیل میں جانا مقصود ہوتا تو ہمیں بتاتا کہ قرآن کریم میں "امر" دین کے معنوں میں آیا ہے۔ اور اسلامی مملکت دین ہی کی مظہر اور ذریعہ نفاذ ہوتی ہے۔ رسول اللہ سے جب کہا گیا تھا کہ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا..... (۴۵/۱۸) "پھر ہم نے تمہیں اَمر کے ایک راستے پر لگا دیا۔ سو تم اسی کا اتباع کرو" تو اس سے مراد دینِ خداوندی تھا نہ کہ محض امورِ مملکت۔ دوسری طرف جب جماعتِ مومنین سے استخلاف فی الارض (حکومت و مملکت) کا وعدہ کیا گیا تھا تو اس کی غرض و غایت یہ بتائی گئی تھی کہ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ (۲۴/۵۵) "تاکہ اس سے اس دین کو تمکن حاصل ہو جائے جسے خدا نے ان کے لئے منتخب فرمایا ہے"۔ لہٰذا "امر" کو دنیاوی امور تک محدود سمجھنا دین سے بے خبری کی دلیل ہے۔ ان تمام امور کی جزئیات متعین کرنا جن کا تعین قرآن کریم نے نہیں کیا اسلامی نظام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

قرآن کے خلاف سنگین الزام

اسے پھر دہرا دیا جائے کہ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کریم نے تمام احکام کی جزئیات خود ہی متعین کر دی ہیں۔ قرآن کی متعین کردہ جزئیات کی کیفیت کیا ہوتی ہے — وہ کس قدر واضح، صاف اور متعین ہوتی ہیں — اس کی مثالیں پہلے دی جا چکی ہیں۔ یہ اس قدر واضح اور متعین ہوتی ہیں کہ ان کے متعلق دو آراء کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً جہاں اس نے کہا ہے کہ "فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ" (۴/۱۱) یعنی ماں کا چھٹا حصہ ہے تو اسے دو نہیں، دو کروڑ آدمی بھی دیکھیں تو اس کے حصہ کو چھٹا حصہ ہی کہیں گے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ

ایک شخص چھٹا حصہ کہہ سکتا ہے اور دوسرا آٹھواں حصہ۔ اس تصریح کے بعد اب نماز کی ان جزئیات کو لیجئے جسے ان حضرات کے نزدیک قرآن نے متعین کیا ہے۔ (مولانا) چکڑالوی نے قرآن کریم کی آیات (۱۱/۱۱۴) اور (۱۷/۷۸) سے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ وقتوں کی نماز کا حکم دیا ہے اور بلاغ القرآن والوں نے انہی دو آیتوں کو درج کرنے کے بعد کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں تین وقتوں کی نماز فرض قرار دی ہے اور دونوں نے کہا ہے کہ قرآن کا قطعی فیصلہ ہے۔ یا مثلاً مولانا چکڑالوی نے سورۃ النساء کی آیات (۴/۱۰۱-۱۰۲) درج کرنے کے بعد کہا ہے کہ خدا نے ان میں حکم دیا ہے کہ نماز کی چار رکعتیں ہیں اور بلاغ القرآن نے انہی آیات کے درج کرنے کے بعد کہا ہے کہ خدا نے نماز کی دو رکعتیں مقرر کی ہیں۔ اسی طرح مولانا چکڑالوی نے کہا ہے کہ خدا نے ایک رکعت میں دو سجدوں کا حکم دیا ہے اور بلاغ القرآن نے بتایا ہے کہ خدا نے ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ کا حکم دیا ہے۔

سوچئے کہ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ کیا آپ کے خدا کو یہ کہنا بھی نہیں آیا کہ نماز کے کتنے اوقات ہیں، کتنی رکعتیں اور کتنے سجدے۔ تو اس کا کیا جواب دیا جائے گا؟ اگر قرآن کی یہی حالت ہے کہ اس کی ایک ہی آیت سے پانچ وقت اور تین وقت یا چار رکعتیں اور دو رکعتیں۔ یا دو سجدے اور ایک سجدہ ثابت ہو جاتا ہے تو ایسے قرآن کے متعلق (معاذ اللہ) کیا تصور قائم ہوگا؟ لیکن ان حضرات کو اس سے کیا غرض کہ ان کی اس قسم کی حرکتوں سے خدا کے متعلق کیا تصور پیدا ہوتا ہے اور قرآن کریم کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ انہیں تو ایک جدید فرقہ کی تشکیل اور اس کی امامت سے غرض ہے۔ اور بس!

مندرجہ بالا آیات میں تو پھر بھی صلوٰۃ کے الفاظ آتے ہیں لیکن جب ہم ان کے بیان کردہ "اذکارِ صلوٰۃ" کی طرف آتے ہیں تو وہاں اس سے بھی زیادہ حیرت افزا اور تاسف انگیز صورت سامنے آتی ہے۔ سورۃ نمل میں ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کا گزر وادیٔ نمل سے ہوا اور اس قوم کی سربراہ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ تم اپنے اپنے گھروں میں چھپ جاؤ ورنہ سلیمانؑ کا لشکر تمہیں کچل دے گا تو حضرت سلیمانؑ اس کی غلط فہمی پر تبسم ہوئے اور اس کے ساتھ ہی خدا سے دعا کی کہ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ۔ (۲۷/۱۹) "اے میرے رب! مجھے اس کی توفیق عطا فرما کہ تو نے جس نعمت سے مجھے اور میرے والدین کو نوازا ہے، اس کا شکر ادا کروں اور تیری پسند کے مطابق عمل صالح کروں"۔ یہی الفاظ کچھ اضافے کے ساتھ سورۃ احقاف (۴۶/۱۵) میں مومنین کی زبان سے کہلوائے گئے ہیں۔ ان مقامات میں نہ کہیں صلوٰۃ کا ذکر ہے، نہ رکوع و سجود کا۔ لیکن "بلاغ القرآن" والوں کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو رکوع کی حالت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ہم نے صرف ایک مثال پیش کی ہے۔ ورنہ انہوں نے دعائے قبل صلوٰۃ سے اذکار بعد صلوٰۃ تک اسی طرح سے مختلف آیتیں درج کی ہیں اور اس کے بعد کہا ہے کہ یہ ہے قرآن کا مقرر کردہ صلوٰۃ کا طریق۔

اگر یہ حضرات یہ کہتے کہ ہم نے قرآن کریم میں غور و فکر کیا ہے جس کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ نماز میں اس قسم کی دعائیں پڑھنی چاہئیں تو یہ اور بات ہوتی۔ لیکن ان کا کہنا تو یہ ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے کہ نماز میں حالتِ قیام

میں یہ پڑھو، رکوع میں یہ پڑھو اور سجدہ میں یہ کہو۔ اپنے قیاس کو خدا کا حکم کہہ کر پیش کرنا اتنی بڑی جسارت ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں اس کا بھی قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ جب کل کو اللہ تعالیٰ یہ پوچھے گا کہ میں نے کب کہا تھا کہ قیام میں یہ آیتیں پڑھو اور رکوع اور سجدے میں یہ آیتیں تو اس کا کیا جواب دیا جائے گا؟ قرآنی آیات کے ساتھ اس قسم کا کھیل مرزا غلام احمد کھیلا کرتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ قرآنی آیت — هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله۔ میں مجھے رسول کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (براہین احمدیہ ص۴۹۸ و اعجاز احمدی) وقس علیٰ ذالک۔ لیکن وہ تو اپنے اس قسم کے دعاوی کی دلیل اور سند یہ پیش کرتے تھے کہ انہیں اس کی بابت خود خدا نے بذریعہ وحی بتایا ہے۔ معلوم نہیں کہ بلاغ القرآن والوں کے پاس اس کی کیا سند اور حجت ہے کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ تم نماز میں فلاں آیات پڑھا کرو۔ قرآن کریم میں تو ایسا کہیں نہیں آیا؟

چونکہ قارئین طلوع اسلام کے دل میں یہ خواہش ابھرے گی کہ وہ کون سی آیات ہیں جن پر ان کی وضع کردہ نماز مشتمل ہے، ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ اس مقالہ کے آخر میں ان کے بیان کردہ اذکارِ صلوٰۃ درج کر دیئے جائیں۔ قارئین ان آیاتِ قرآنی کو دیکھیں اور پھر سوچیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق کسی ایک جگہ بھی یہ کہا ہے کہ انہیں نماز میں یوں پڑھو۔ اس کے بعد آپ سوچئے کہ ان کے متعلق یہ کہنا کہ یہ خدا کی مقرر کردہ جزئیات ہیں، کتنی بڑی جسارت ہے۔ قرآن کریم نے یہودی فقیہوں کے متعلق کہا تھا کہ یکتبون الکتاب بایدیهم ثم یقولون هذا من عند الله (۲/۷۹)۔ "وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے"۔ کیا اسی قبیل کی جسارت ان اہلِ قرآن کی نہیں کہ یہ اپنے ذہن سے تجویز کرتے ہیں کہ فلاں آیات نماز میں پڑھی جانی چاہئیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی تجویز کردہ آیاتِ صلوٰۃ ہیں۔ (معاذ اللہ)

(۰)

فرقہ سازی

قرآن کریم نے بالفاظِ صریح فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے (۳۰/۳۱-۳۲) اور متعدد آیات میں اس کی سخت مخالفت کی ہے۔ ہماری مذہبی پیشوائیت ان آیات کو لوگوں کے سامنے نہیں لاتی تھی۔ طلوع اسلام نے اسے اس شد و مد سے دہرایا اور ان کا اتنا چرچا کیا کہ لوگوں نے مولوی صاحبان سے پوچھنا شروع کر دیا کہ ان آیات کی موجودگی میں، اسلام میں فرقوں کا کیا جواز ہے؟ اس اعتراض کا کوئی جواب ان سے بن نہیں پڑتا تھا۔ اس سے یہ بڑی تنگی میں تھے کہ کسی وسوسہ انداز نے ان کے کان میں پھونک دیا کہ یہ فرقے نہیں، مکاتبِ فکر ہیں۔ اس سے ان کی باچھیں کھل گئیں۔ اور یہ تو معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو فریب دے لیا یا نہیں لیکن لوگوں کو اس فریب میں مبتلا کرنا شروع کر دیا کہ ہمارے ہاں مذہبی فرقے نہیں، مکاتبِ فکر ہیں۔ عوام بیچارے کو کیا معلوم کہ مکاتبِ فکر کیا ہوتے ہیں اور مذہبی فرقے کیا۔ چنانچہ آجکل اس کا چرچا عام کیا جا رہا ہے اور اس طرح کبوتر آنکھیں بند کر کے مطمئن ہو بیٹھا ہے کہ بلی کا خطرہ ٹل گیا ہے۔

مکاتب فکر سے کیا مراد ہے

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کریم نے اپنی آیات کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے — متشابہات اور محکمات — آیاتِ متشابہات کا تعلق کائنات اور مابعد الطبیعات کے ان بسیط حقائق سے ہے جنہیں تشبیہی انداز ہی میں بیان کیا جا سکتا تھا۔ ان حقائق کا مفہوم ہر شخص اپنی اپنی فکر کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ فکرِ انسانی، انسانی علوم کی وسعتوں کے ساتھ ساتھ وسیع اور بلند ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے ان آیات میں بیان کردہ حقائق کا مفہوم بھی ہر دور میں وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان حقائق، نیز احکامِ قرآنی کے معارف و مصالح پر اس طرح غور و فکر کرنے والوں کو مفکرین کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے فکری اختلاف کی بنا پر کوئی فرقہ وجود میں نہیں آتا۔ مسلم مفکرین میں ابن باجہ، ابن رشد، ابن سینا، ابن طفیل، ابن مسکویہ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے کوئی مذہبی فرقہ پیدا نہیں کیا۔ ہمارے دور میں سرسیدؒ اور اقبالؒ کا شمار بھی مشہور مفکرین میں ہوتا ہے۔ ان کے مکاتبِ فکر (SCHOOLS OF THOUGHT) تو اپنے اپنے ہیں لیکن یہ کسی فرقے کے بانی نہیں ہیں۔

اس کے برعکس فرقہ وجود میں آتا ہے محکمات میں اختلاف کی بنا پر۔ اس میں عقاید کے اختلاف بھی شامل ہیں اور اعمال کے اختلاف بھی۔ یہی وہ فرقہ بندی ہے جسے قرآن نے شرک قرار دیا ہے کہ اس سے امت کی وحدت ختم ہو جاتی ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ ان فرقوں کے نشاناتِ تعارف تو الگ الگ ہیں لیکن یہ محسوس طور پر نکھر کر سامنے آتے ہیں نماز کے وقت۔ مسلمانوں کا دو چار ہزار کا مجمع بھی کسی جگہ ہو، تو آپ پہچان نہیں سکیں گے کہ کون کس فرقے سے متعلق ہے۔ لیکن جونہی نماز کی اذان ہو گی تو یہ الگ الگ مسجدوں کا رخ کر لیں گے اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کون کس فرقے سے متعلق ہے۔ مختلف فرقوں کی نمازوں میں بھی فرق ہوتا ہے لیکن تفرقہ کے لئے یہ فرق بھی ضروری نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ دو فرقوں کی نماز میں کوئی فرق نہ ہو لیکن اس کے باوجود ان میں بعد المشرقین ہو۔ مثلاً احمدیوں نے اپنی نماز وہی رکھی جو حنفی مسلمان پڑھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی مسجدیں الگ بنائیں۔ نماز میں فرقہ بندی کی بنیاد یہ ہے کہ ایک فرقہ کے مسلمان دوسرے فرقہ کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھتے۔ یا یوں کہئے کہ دوسرے فرقہ کے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اس لئے ان کی مسجدیں بھی الگ الگ ہوتی ہیں اور جماعتیں بھی الگ الگ۔ یوں نماز مختلف فرقوں کا تعارفی نشان بن جاتی ہے۔ امت میں تفریق کی جو پہلی اینٹ رکھی گئی تھی وہ مسجد ہی کی اینٹ تھی جسے قرآن نے "مسجدِ ضرار" کہہ کر پکارا اور کفر قرار دیا ہے۔ ([illegible])

جس طرح باقی مذہبی فرقے، فرقے کے نام سے تلملا اٹھتے ہیں، اسی طرح اہلِ قرآن کے لئے بھی یہ لفظ آتش بہ پیرہن ہو جاتا ہے۔ وہ بھی اٹھتے بیٹھتے کہتے رہتے ہیں کہ ہم فرقہ نہیں۔ چنانچہ بلاغ القرآن نے اپنی اشاعت بابت فروری ۱۹۷۵ء میں لکھا ہے کہ

طلوعِ اسلام نے جنوری ۱۹۷۵ء کے صفحہ ۴۰ پر عنوان قائم کیا ہے۔ "فرقہ اہل قرآن۔

اور وہ ہمیں فرقہ کہتے کہتے تھکتا نہیں۔ حالانکہ ہم بارہا اعلان کر چکے ہیں کہ ہم فرقہ نہیں ہیں۔
(صفحہ ۲۲)

وہ دوسرے مقام پر لکھتا ہے۔

اگر طلوع اسلام الگ درسوں، الگ کنونیشنوں، الگ اسٹیجوں اور الگ بزموں کے باوجود فرقہ نہیں تو بلاغ القرآن صرف قرآن کی فرض کی ہوئی نماز کی ادائیگی کی بدولت فرقہ کس طرح ہوگیا۔

(بلاغ القرآن۔ بابت دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۰)

نماز کے سلسلے میں وہ لکھتا ہے کہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز فرقہ بندی سکھاتی ہے۔ ہر فرقہ اپنی نماز سے پہچانا جاتا ہے گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں انہیں غلطی لگ چکی ہے۔ کیونکہ فرقہ بندی عقائد کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہے، نماز سے نہیں۔

(پمفلٹ۔ الصلوٰۃ۔ صفحہ ۱۵-۱۶)

یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ یہ کون کہتا ہے کہ نماز فرقہ بندی سکھاتی ہے لیکن، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، ہر فرقہ نماز کی علیحدگی سے پہچانا جاتا ہے۔ یعنی فرقے کی پہچان یہ ہے کہ وہ دوسرے فرقوں کے ساتھ مل کر یا ان کے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ اسی لئے ان کی جماعت بھی الگ ہوتی ہے اور مسجدیں بھی الگ۔ ہم پوچھتے یہ ہیں کہ کیا اہل قرآن کی نماز کی صورت یہی نہیں کہ وہ نہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھتے ہیں نہ کسی دوسرے امام کے پیچھے۔ کیا اسی بنا پر انہوں نے اپنی مسجد الگ نہیں بنائی اور کیا اس میں اسی فرقہ کے لوگوں پر مشتمل الگ نماز کی جماعت نہیں ہوتی؟ اگر یہ فرقہ بندی نہیں تو پھر کیا فرقوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں؟ نمازیں علیحدگی کی کیفیت یہ ہے کہ (مثلاً) اہل حدیث اور حنفی فرقوں کی نمازوں میں اختلاف ہے لیکن وہ اختلاف ایسا معمولی سا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر یا دوسرے فرقے کے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن فرقہ اہل قرآن کی نماز کی یہ کیفیت ہے کہ وہ دعائے قبل الصلوٰۃ سے لے کر آخری سلام تک تمام مسلمانوں کی نمازوں سے یکسر مختلف ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے (اور اس مقالہ کے آخر میں آپ دیکھیں گے) سورۃ فاتحہ کے سوا ان کی نماز اور دوسرے مسلمانوں کی نماز میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں۔ حتیٰ کہ ان کی نماز جنازہ بھی الگ ہے۔ یہ عجیب دلچسپ بات ہے کہ مسلمانوں میں پہلا فرقہ اہل تشیع کا وجود میں آیا۔ ان کی نماز دوسرے مسلمانوں کی نماز سے اس قدر مختلف ہے کہ یہ اگر چاہیں بھی تو آپس میں مل کر نماز پڑھ ہی نہیں سکتے [1] اور اس کے بعد اب (سر دست) آخری فرقہ اہل قرآن کا وجود میں آیا۔ یہی

[1] ان کی نماز اور دیگر مسلمانوں کی نماز میں سورۃ فاتحہ۔ اس کے بعد کوئی سی قرآنی سورۃ اور رکوع و سجود کی تسبیحات (تھوڑے سے فرق کے ساتھ) مشترک ہیں۔ باقی جزئیات اس قدر مختلف ہیں کہ شیعہ اور غیر شیعہ اکٹھے نماز پڑھ ہی نہیں سکتے۔

کیفیت ان کی نماز کی ہے۔ یہ اگر چاہیں بھی تو دوسروں کے ساتھ مل کر نماز پڑھ ہی نہیں سکتے۔ نہ ہی کوئی دوسرا ان کی نماز میں شریک ہو سکتا ہے۔ کیفیت ان کی یہ ہے اور اس کے باوجود کہا یہ جاتا ہے کہ ہم الگ فرقہ نہیں۔ یہ بعینہٖ وہی شکل ہے جو "احمدیوں" نے اختیار کر رکھی تھی اور قریب سو برس سے کہتے چلے آ رہے تھے کہ ہم مسلمانوں سے الگ نہیں ہیں۔ "بلاغ القرآن" والے بار بار طلوع اسلام کا ذکر کر کے لوگوں کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔ ان پر واضح ہونا چاہیئے کہ طلوع اسلام

طلوع اسلام کا ذکر

(الگ اسٹیجوں، الگ بزموں، الگ کنونشنوں اور الگ درسوں کے باوجود) کوئی فرقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے نماز روزہ وغیرہ میں کوئی نیا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ یہ خالص فکری تحریک ہے، اس لئے اس میں فرقہ بندی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس کے درسوں۔ بزموں کنونشنوں میں ہر فرقہ کے مسلمان شامل ہوتے ہیں اور اپنے اپنے طریقہ پر ارکانِ اسلام کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اس باب میں اس کی شدتِ احتیاط کا یہ عالم ہے کہ یہ اپنے اجتماعات میں نماز باجماعت کا کوئی اہتمام نہیں کرتا اور ان میں شامل ہونے والوں سے تاکیداً کہتا ہے کہ وہ آس پاس کی مسجدوں میں جا کر نماز پڑھیں۔ وہ ڈرتا ہے کہ آج کا نماز کا الگ اہتمام کل کو کہیں امت سے علیحدگی کا نشان نہ قرار پا جائے[1]

(٠)

ملخص

داستان دراز ہو گئی۔ اس کے سوا چارہ ہی نہیں تھا۔ اس سے آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ اس فرقہ نے قرآن کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے، ان کے عقیدہ اور عمل کی رُو سے :۔

(۱) قرآن کریم کا یہ دعوےٰ ہی باطل قرار پا جاتا ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ اور جب اس کا یہ دعوےٰ باطل قرار پا جائے تو وہ خود اپنے بیان کے مطابق منزل من اللہ رہتا ہی نہیں۔

(۲) قرآن کا دعوےٰ ہے کہ وہ نہایت واضح اور روشن کتاب ہے۔ اس میں کسی قسم کا ابہام نہیں، التباس نہیں، ریب نہیں، تشکیک نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے جس شکل میں قرآن کو پیش کیا ہے اس سے اس کے یہ تمام دعاوی باطل قرار پا جاتے ہیں۔

(۳) ان سے پہلے کسی فرقہ کے بانی نے بھی اپنے قیاس، اجتہاد یا استنباط کے متعلق یہ نہیں کہا تھا کہ وہ خدا کے ارشادات ہیں (بجز مدعیان نبوت کے) لیکن ان کی صورت یہ ہے کہ یہ اپنے ذہن سے ایک بات تجویز کرتے ہیں، وَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ - اور کہتے یہ ہیں کہ وہ خدا کا حکم اور قرآن کا فیصلہ ہے۔

---

[1] ہم نے اس گفتگو کو ان لوگوں کی (بزعم خویش) نماز سے متعلق "قرآنی تفصیلات" تک محدود رکھا ہے۔ اسی سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ انہوں نے دیگر احکام کی جزئیات کے متعلق بھی کیا گل نہیں کھلائے ہوں گے۔

(۴) انہوں نے ایک ایسی نماز ایجاد کی ہے جس میں کوئی دوسرا مسلمان ان کے ساتھ شریک ہی نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی یہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یہ فرقہ بندی کی شدید ترین شکل ہے۔

اس کے بعد آپ سوچئے کہ قرآن اور ملت کے خلاف اس سے بڑی دشمنی کچھ اور بھی ہو سکتی ہے؟ اس دور میں قرآنی روشنی بہت دور تک پھیل جاتی اگر یہ لوگ اس کے راستے میں روک بن کر کھڑے نہ ہو جاتے۔

میرا نظریہ اور مسلک

آخر میں میں اس کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی بصیرت کے مطابق ان امور کے متعلق کیا سمجھا ہے۔ واضح رہے کہ میں نے اپنے فہمِ قرآن کو نہ کبھی حرفِ آخر قرار دیا ہے نہ سہو و خطا سے منزہ۔ میں نے نہ کوئی الگ فرقہ قائم کیا ہے نہ ہی میں کسی فرقے سے متعلق ہوں۔ نہ ہی میرا قرآن کریم کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے سوا کوئی اور دعوے ہے۔ جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں اور جس کی میں تبلیغ کرتا چلا آ رہا ہوں وہ حسبِ ذیل ہے۔

(۱) قرآن کریم تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک مکمل، غیر متبدل اور محفوظ ضابطۂ حیات ہے۔ اس بنا پر یہ خدا کی طرف سے آخری کتاب اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ وحی کا سلسلہ حضورؐ کی ذات پر ختم ہو گیا۔

(۲) قرآن کریم میں احکام و قوانین کے علاوہ کائناتی حقائق بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان حقائق اور احکامِ قرآنی کے مصالح کو ہر فرد اپنے غور و فکر کی رو سے سمجھ سکتا ہے۔ مختلف افراد اور مختلف زمانوں میں اس فکر میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن اس اختلاف کی وجہ سے امت میں کوئی تفریق نہیں پیدا ہونی چاہیئے۔

(۳) جہاں تک قرآنی احکام کا تعلق ہے انہیں اس نے نہایت واضح اور محکم انداز میں بیان کر دیا ہے۔ ان میں نہ کسی قسم کا اختلاف اور تضاد ہے۔ نہ ابہام و التباس۔

(۴) ان احکام میں بعض ایسے ہیں جن کی جزئیات تک بھی قرآن نے خود متعین کر دی ہیں۔ یہ جزئیات بھی نہایت واضح، روشن اور غیر مبہم ہیں۔ دوسرے احکام ایسے ہیں جنہیں اصولی طور پر دیا گیا ہے، اور مقصد اس سے یہ ہے کہ ان کی جزئیات اسلامی نظامِ مملکت خود متعین کرے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ قرآن کے کسی اصول، حکم یا تعلیم سے ٹکراتی نہیں۔ ان جزئیات میں زمانے کے تقاضوں کے ساتھ عند الضرورت تبدیلی ہو سکتی ہے۔ لیکن ان کا تعین ہو یا تغیر و تبدل، اس کا اختیار صرف اسلامی نظام کو حاصل ہے۔ کسی فرد یا کسی گروہ کو نہیں۔

(۵) ان جزئیات کو سب سے پہلے نظامِ اسلامی نے عہدِ رسالت مآبؐ و خلافتِ راشدہ میں متعین کیا۔

امت کی بدقسمتی سے یہ نظام کچھ عرصہ کے بعد باقی نہ رہا اور اس طرح امت کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ اور دین مذہب میں بدل گیا۔ اس زمانے میں بعض حضرات کی ذاتی کوششوں کی بنا پر صدر اول کے ان فیصلوں کو زبانی روایات کی رو سے جمع اور مرتب کیا گیا۔ انہیں روایات کے مجموعے کہا جاتا ہے۔

(۶) ان مجموعوں میں وضعی روایات بھی شامل ہو گئی ہیں۔ میرے نزدیک ان کے پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ جو روایات کسی شکل میں بھی قرآن کریم سے ٹکراتی ہیں، ان کے متعلق سمجھا جائے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہیں۔ انہیں حضورؐ یا صحابہؓ کی طرف غلط منسوب کر دیا گیا ہے جو اقوال و اعمال قرآن سے نہ ٹکرائیں، انہیں صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ واضح رہے کہ میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر نہیں۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ جو روایات قرآن کے خلاف ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت غلط ہے۔ وہ حضورؐ کے ارشادات ہو نہیں سکتے۔

(۷) مسلمانوں میں اس وقت متعدد فرقے پیدا ہو چکے ہیں۔ اور یہ صورت قرآن کے خلاف اور دین کے منافی ہے۔ قرآن کا تصور وحدتِ امت کا ہے۔ لیکن امت میں وحدت صرف اسلامی نظام کے ذریعے پیدا ہو سکتی ہے۔ لہذا ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ نظام پھر سے متشکل ہو جائے۔

(۸) یہاں سے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ جب تک وہ نظام قائم نہ ہو ہم کیا کریں۔ اس سلسلہ میں میرا نظریہ اور مسلک یہ ہے کہ مختلف فرقے جس جس طریق سے ارکانِ اسلام کی پابندی کرتے چلے آ رہے ہیں، ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ نہ ان میں کوئی تبدیلی تجویز کی جائے اور نہ کوئی نیا طریقہ وضع کیا جائے۔ ایسا کرنے سے بجز اس کے کہ امت میں مزید انتشار پیدا ہو کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے، اس قسم کا اختیار صرف اسلامی نظام کو حاصل ہے، کسی فرد یا فرقے کو حاصل نہیں۔ اپنے اس نظریہ کے مطابق میں خود بھی ارکانِ اسلام کی پابندی دوسرے مسلمانوں کی طرح کرتا ہوں۔ اور جو لوگ میری بات سنتے ہیں، ان سے بھی یہی تاکید کرتا ہوں کہ وہ ان کی پابندی اسی طریق سے کرتے چلے جائیں۔ البتہ جو عقاید یا شعائر قرآن کے خلاف نظر آئیں ان کی نشاندہی کی جائے اور ان کی جگہ قرآن کی صحیح تعلیم کو عام کیا جائے۔ میں قریب چالیس سال سے یہی کچھ کرتا چلا آ رہا ہوں۔ اور یہی تحریک طلوع اسلام کا مقصود و منتہیٰ ہے۔

(۹) تحفظ ناموسِ رسالتؐ میرے ایمان کا جزو اور قرآن کریم کے بلند و بالا و منفرد مقام کا عام کرنا میری زندگی کا مشن ہے۔ جہاں ان پر کسی قسم کی زد پڑتی ہے، اپنی استطاعت اور استعداد کے مطابق اس کی مدافعت کی کوشش کرتا ہوں۔ "احمدیوں" اور فرقہ اہل قرآن کے خلاف میری جدوجہد کا جذبۂ محرکہ بھی یہی ہے اور مقصود و منتہیٰ بھی یہی۔ میری کسی سے نہ ذاتی دشمنی ہے نہ جذبۂ انتقام۔ اسی لئے میں ان بحثوں میں ذاتیات پر نہیں اترا کرتا۔

(۱۰) آخر میں، میں اسے پھر دہرا دوں کہ امت میں دین کے قیام کی صورت قرآنی نظام کے قیام کے سوا کچھ نہیں۔ وہی امت میں وحدت پیدا کرے گا اور اسے ایک طریق پر چلائے گا۔ امت کا موجودہ انتشار، گروہ سازیاں اور فرقہ بندیاں، نئے نئے اختلافات کی نمود، نئی نئی نمازوں کی اختراع، اردو میں نماز، یہ سب اس لئے ہے کہ امت میں قرآنی نظام باقی نہیں رہا۔ وہ نظام قائم ہو گیا تو یہ سب افتراق و انتشار ختم ہو جائے گا۔

رات کے ماتھے پہ افسردہ ستاروں کا ہجوم
صرف خورشید درخشاں کے نکلنے تک ہے!

(۰)

تتمّہ

فرقہ اہل قرآن کی نماز

(۱) تین وقتوں کی نماز۔ اذان کی ضرورت نہیں۔ اللہ اکبر کہنا خلاف قرآن ہے۔
(۲) ایک نماز میں دو رکعتیں
(۳) ایک رکعت میں ایک سجدہ۔
(۴) اذکار صلٰوۃ۔ (جو ان کے شائع کردہ پمفلٹ الصلٰوۃ میں درج ہیں)۔

دعائے قبل صلٰوۃ معہ تکبیر صلٰوۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ہ

اذکار قیام

اسمائے حسنیٰ اور تسبیح

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ہ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ہ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ہ

حمد، استعانت و استغفار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۔ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۔ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۔ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۔ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۔ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۔ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۔ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۔ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۔ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔

اذکارِ رکوع اَنابت الی اللہ

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۔ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۔ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۔ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔

اذکارِ سجدہ ۔ تسبیح اور حمد

سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ۔ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۔ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۔

اذکار بعد الصلوٰۃ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔

رسولوں پر سلام سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

حاضر مومنوں پر سلام سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

صلوٰۃ میت کے اذکار رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ (۵۹/۱۰)

طلوع اسلام۔ ان لوگوں سے صرف اتنا پوچھئے کہ ان میں سے کسی ایک ذکر کے متعلق بھی خدا نے کہا ہے کہ اسے نماز کے قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ میں پڑھا جائے۔ اگر اس نے ایسا نہیں کہا تو آپ کس طرح کہتے ہیں کہ خدا نے ایسا حکم دیا ہے؟ یہ خدائی اختیارات کا حامل بن جانا نہیں تو اور کیا ہے؟

لیکن ان لوگوں سے قطع نظر، ہم ان سادہ لوح مسلمانوں سے، جو ان کے اس چکر میں پھنس کر ان کی تجویز کردہ نماز کو خدا کی مقرر کردہ صلوٰۃ سمجھنے لگے ہیں، دل کے پورے سوز و گداز کے ساتھ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے کبھی سوچا بھی کہ آپ کو ان لوگوں نے کس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ آپ دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ پاکستان ہی نہیں، آپ دنیا کے کسی ملک میں، کسی مسجد میں بھی مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہو سکتے۔ حتیٰ کہ حریم کعبہ میں بھی ان کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ کیونکہ آپ کی نماز ہی دنیا جہان سے نرالی ہے۔ حتیٰ کہ آپ نماز جنازہ تک میں باقی مسلمانوں کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے۔ سوچئے کہ انہوں نے کس چابک دستی سے آپ کا رشتہ ساری امت سے منقطع کر دیا ہے جو نماز عام مسلمان پڑھتے ہیں، وہ کونسی کافرانہ اور مشرکانہ ہے جو انہوں نے آپ کو یہ پٹی پڑھا کر ملت سے الگ کر رکھ دیا! ہمارے زمانے میں "محمدیوں" نے اپنا رشتہ مسلمانوں سے منقطع کیا تھا لیکن انہوں نے

مسلمانوں سے کٹ کر اپنی الگ امت بنالی' سوچیئے کہ آپ مسلمانوں سے الگ ہو کر کیا کریں گے؟ لہٰذا' میری آپ سے دردمندانہ پکار یہ ہے کہ آپ اپنی حالت پر نظرثانی کریں۔ اللہ کے حضور اپنے اس جرم عظیم کی معافی مانگیں (کہ اس کے ہاں تفرقہ شرک ہے اور شرک ظلم عظیم) اور شجرِ ملت سے پیوستہ رہیں۔ اس کی اولین علامت نماز میں شرکت ہے جس فرقہ کی نماز بھی آپ کو آتی ہے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھیں۔ اور دیگر فرقوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہ سمجھیں۔ یہی سلامتی کی راہ ہے۔

میں نے یہ مقالہ آپ احباب کی بہی خواہی کے لیے لکھا ہے' ورنہ بلاغ القرآن سے کسی بحث میں الجھنے کی نہ مجھے فرصت ہے نہ ضرورت۔

والسلام

پرویز

شاہکارِ رسالتؐ — عمرِ فاروقؓ

—— (اپنے انداز کی منفرد کتاب) ——

اکثر سوالات ابھرتے ہیں کہ:-

★ اسلام کا معاشرتی، تمدنی، عسکری، سیاسی، معاشی نظام کیا ہے؟

★ کیا یہ نظام کبھی عملی شکل میں قائم بھی ہوا تھا؟

★ اگر قائم ہوا تھا تو کب؟ اور اس کا انداز کیا تھا؟

پھر اس قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ:-

★ اگر یہ نظام قائم ہوا تھا تو پھر آگے کیوں نہ چلا؟

★ وہ نظام (یعنی دین) موجودہ مذہب میں کس طرح تبدیل ہو گیا؟

★ عجمی سازش سے کیا مراد ہے؟

★ اب صحیح اسلامی نظام کے احیاء کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟

ان سوالات کا نہایت مدلل، مستند، معقول، اطمینان بخش جواب اس کتاب میں ملے گا، جو مفکرِ قرآن جناب پرویز کی مدت العمر کی تحقیقاتی کاوش اور عمیق غور و فکر کا نتیجہ ہے۔

★ نیز اس میں فقہ، حدیث، امامت، تصوف، کشف و الہام، دعوائے ماموریت اور ختمِ نبوت کے متعلق تاریخی مباحث اور حیرت انگیز انکشافات ملیں گے۔

بڑے سائز کے قریب چھ سو صفحات پر مشتمل تصنیف۔ سفید کاغذ، مضبوط جلد۔ جاذبِ نگاہ گرد پوش

قیمت ۴۵/- روپے (علاوہ محصولڈاک)

(۱) ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور (۲) مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور